اقبال اور کشمیر

ڈاکٹر صابر آفاقی

اقبال اور کشمیر

ڈاکٹر محمد صابر آفاقی

نیشنل کمیٹی برائے صد سالہ تقریبات ولادت علامہ محمد اقبال

اقبال اکادمی پاکستان

۹۰-بی-۲- گلبرگ ۳ ○ لاہور

ناشر : ڈاکٹر محمد معزالدین
ڈائرکٹر ، اقبال اکادمی ، پاکستان ، لاہور

طابع : علی محمد برق

مطبع : ڈائرکٹری پرنٹنگ پریس - برق چمبرز ، لاہور

طبع اول - - - - - - ۱۹۷۷ء

علاّمہ محمّد اِقبالؒ

(۱۹۳۸—۱۸۷۷)

انتساب

اس خوش بخت و ستودہ صفات

ماں کے نام

جس نے اقبال ایسے عظیم فلسفی ، شاعر اور مفکر کو

اپنی آغوش میں تربیت دی ۔

فہرست مضامین

پیش لفظ

علامہ شیخ محمد اقبال (۱۸۷۷ء - ۱۹۳۸ء) بیسویں صدی کی ایک عبقری شخصیت تھے - آپ جتنے بڑے فلسفی اور شاعر تھے اتنے ہی بڑے سیاسی رہنما بھی تھے - آپ کی ذات پر جہاں پاکستان بلکہ پورا ایشیا فخر کرتا ہے وہاں آن پر کشمیر کو بھی ناز ہے کہ اس مغنی آتش نفس کا تن اسی کے خیابان کا گل تازہ تھا -

علامہ کی سیرت ، شاعری ، اور پیغام پر مختلف زبانوں میں لیٹریچر موجود ہے - لیکن اقبال اور کشمیر کے اہم موضوع پر چند مضامین کے علاوہ کچھ نہیں ملتا -

اس کمی کو میں مدت سے محسوس کر رہا تھا لیکن کچھ دوسری علمی و تحقیقی مصروفیتوں نے اور کچھ غم روز گار نے مجھے اس طرف توجہ دینے کی مہلت نہ دی - تاہم میں مواد کی جمع آوری کے لیے ایک سال سے وقت نکالتا رہا -

میں نے ''اقبال اور کشمیر،، کو امسال جولائی میں مرتب کرنا شروع کیا - جب نصف کے قریب کتاب مرتب کرچکا تو اچانک یہ خیال بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ غم دامن گیر ہو گیا کہ اسے شائع کون کرے گا -

تاریخ یاد نہیں - مہینہ اگست کا تھا - حضرت علامہ مجھے خواب میں نظر آئے اور فرمایا : خط سے تمھاری مشکل آسان ہو جائے گی -

میں اس وقت تو خواب کی تعبیر نہ سمجھ سکا ۔ مگر حال ہی میں مجھے خیال آیا کہ ''اقبال اکیڈیمی،، سے خط و کتابت کر کے دیکھ لیا جائے ۔

چنانچہ میں نے موضوع کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اقبال اکیڈیمی کے ڈائرکٹر محترم جناب ڈاکٹر محمد معز الدین مدظلہ کی خدمت میں درخواست کی کہ سال اقبال (۱۹۷۷ء) میں یہ کتاب شائع فرمائی جائے ۔ اس سے پاکستان اور کشمیر کے اہل علم حضرات کو استفادہ کرنے کا موقع بھی ملے گا اور علامہ کی روح بھی مسرور ہوگی ۔

میری خوش بختی ہے کہ جناب ڈائرکٹر صاحب نے یہ کتاب چھاپنے کا وعدہ فرمایا ۔ آپ نے اپنے نامہ مبارک میں مجھے یہ بشارت دی :

"یہ بات میرے لیے باعث فخر ہے کہ آپ پوری تن دھی سے اپنا مقالہ ''اقبال اور کشمیر،، مکمل کرنے میں مصروف ہیں ۔ آپ مسودہ تیار ہوتے ہی بھیج دیں ۔ علامہ اقبال کی صد سالہ تقریبات ولادت میں انشاالله اسے شائع کرنے کی کوشش کی جائے گی،، ۔ چنانچہ یہ کتاب جناب موصوف کی توجہ اور کوشش سے ہی آپ کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے ۔

اس حوصلہ افزائی اور علم پروری کے لیے میں ان کا احسان مند ہوں ۔

"اقبال اور کشمیر،، گیارہ ابواب پر مشتمل ہے ۔ اور اس میں علامہ کا وہ فارسی اردو کلام بھی جمع کر دیا گیا ہے جس کا تعلق کشمیر اور اہل کشمیر سے ہے ۔ بدقسمتی سے ایران صغیر اور خود پاکستان کی نژاد نو بھی فارسی زبان و ادب سے آہستہ آہستہ ناواقف ہوتی چلی جا رہی ہے ۔ اس احساس کے پیش نظر میں نے علامہ کے فارسی

کلام کا اردو ترجمہ دے کر تشریح بھی کر دی ہے تاکہ قاری پوری طرح ان کے مقصد و مدعا کو سمجھ سکے۔

میں علامہ کے فارسی کلام کو جدید فارسی املا میں درج کرنا چاہتا تھا لیکن معاً خیال آیا کہ برصغیر پاک و ہند میں چونکہ یہی املا مروج ہے اور علامہ کا فارسی کلام ہمارے بزرگ اور خود ہم اسی املا میں پڑھتے آئے ہیں لہذا خط و املا میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔

کتاب پوری تحقیق کے بعد لکھی گئی ہے اور مکھی پر مکھی مارنے کی بجائے اگر کسی بزرگ کی رائے تحقیق کے معیار پر پوری نہیں اتر سکی تو اسے معذرت کے ساتھ رد کر دیا گیا ہے۔ اس طرح سیرت اقبال کے نئے گوشے اور فکر اقبال کے نئے افق سامنے آئے ہیں۔

یاد رہے کہ کتاب داری کے جدید اصول کے تحت کتاب کے آخر میں کتابیات اور اشاریہ شامل کر دیا گیا ہے۔

مجھے پوری پوری امید ہے کہ علامہ کی شخصیت سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اس عاجزانہ کوشش کو قبولیت کا شرف بخشیں گے۔

مظفرآباد — صابر آفاق

۹ نومبر ۱۹۷۶ء — (پی ایچ ۔ ڈی طہران)

استاد و صدر شعبۂ اردو

گورنمنٹ ڈگری کالج ، مظفرآباد ۔ آزاد کشمیر

قبائل مثلاً ناگا وغیرہ کو چھوڑ کر باقی سارے قبائل آریا تھے - بقول مولف تمدن ہند - اصلیت کے اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ کشمیر کے باشندے اقوام آریا کی خالص اولاد میں ہیں (۲) -

کشمیر کے ہندو معاشرے میں برہمنوں کو مذہبی اور روحانی سیادت کے ساتھ ساتھ سیاسی قیادت بھی حاصل تھی - چنانچہ کشمیر قدیم کی تاریخ راج ترنگنی ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ برہمن کس طرح بادشاہوں کے عزل و نصب میں سرگرم اور موثر رہے ہیں -

کشمیری برہمن :

کشمیر کے برہمن ذہانت ، سیاسی تدبر اور علم و ادب میں مہارت کی وجہ سے قدیم ہندوستان کے برہمنوں سے بہت آگے رہے ہیں - یہی سبب ہے کہ کشمیری برہمنوں کی تعریف تواریخ اور سفر ناموں میں ملتی ہے -

ابی الفداء کشمیری برہمنوں کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے : و منهم البراهمنه اصحاب الفکر(۳) کشمیری برہمنوں کے بارے میں اقبال کامل کے مؤلف کی یہ رائے بڑی وقیع ہے کہ : یوں تو ہندوؤں میں برہمن اپنے مذہبی تقدس کی وجہ سے عموماً معزز سمجھے جاتے تھے لیکن کشمیری برہمن کشمیر میں علمی حیثیت سے بھی امتیاز خاص رکھتے تھے (۴) -

سنسکرت ادب و شعر کے مطالعہ سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں ادب ، فلسفہ اور شاعری کو ترقی دینے اور زندہ رکھنے والے بھی یہی کشمیری برہمن تھے - اس سلسلے میں کالی داس ،

کیمندر ، سومدیو ، بان ، بلہن ، شیوسوامی ، دمودر گپت ، رتنا کر ، ابھیناوگپت ، سوم آنند ، کلہن ، جونراج ، شریور وغیرہ کا نام لیا جاسکتا ہے - جنھوں نے مذھب و فلسفہ اور ادب و شعر میں بین الاقوامی شہرت پائی - کشمیری برھمنوں نے فکر و عمل کے تسلسل کو ہمیشہ برقرار رکھا اور وہ علم ، تصوف ، شاعری اور سیاست میں رہنمائی کرتے رہے - اس خصوصیت میں کشمیری برھمن برصغیر کے دیگر علاقوں کے برھمنوں سے ہمیشہ دو قدم آگے ہی رہے -

کشمیری برھمنوں کی ذہانت و فطانت کی بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ جہاں سنسکرت میں ماہر مانے جاتے تھے وہاں کشمیر میں ورود اسلام کے بعد فارسی میں بھی ان کی صلاحیت اور خدمات کو سراہا گیا -

وادی میں ورود اسلام :

وادی کشمیر میں اسلام تقریباً ۷۲۵ھ میں پہنچا - اور اس کے کوئی چار سال بعد یہاں پر اسلامی حکومت قائم ہو گئی - پھر ۷۷۸ھ میں ایرانی علما ، صوفیا اور شعرا پر مشتمل سات سو کا قافلہ سید علی ہمدانی کی رہنمائی میں کشمیر پہنچا - اتنی بڑی جمعیت کے آباد ہو جانے سے جہاں زندگی کے دوسرے شعبوں میں تبدیلی واقع ہوئی وہاں یہ انقلاب بھی آیا کہ خطہ کی سرکاری زبان فارسی ہو گئی -

کشمیر کے ہندوؤں بالخصوص برھمنوں نے کچھ اپنی پرانی علمی سیادت کو برقرار رکھنے کے لیے اور کچھ اقتصادی ضرورت کے پیش نظر فارسی زبان میں اس قدر مہارت بہم پہنچالی کہ وہ سرکاری اداروں میں معزز عہدوں پر فائز ہو کر کام کرنے لگے اور کارکن کہلائے - کشمیری برھمن شاھمیری ، چک ، مغل افغان اور سکھ دور حکومت میں

ہمیشہ صاحب حل و عقد رہے ۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ایک کلرک کے عہدہ سے لے کر وزارت کے منصب تک یہی برہمن چھائے رہے ۔

کشمیری پنڈتوں کا سنہری دور سلطان زین العابدین بڈھ شاہ کا عہد حکومت ہے ۔ مؤرخ کشمیر فوق کے بقول ۔ اسی زمانہ میں پنڈتوں نے فارسی پڑھنی شروع کی اور تھوڑے عرصہ میں اس قوم میں فارسی زبان کے ایسے نامور شاعر اور عالم فاضل پیدا ہوئے کہ بادشاہ نے ان کی قابلیت کی وجہ سے ان کو سر آنکھوں پر جگہ دی(۵)

کشمیری پنڈت اور فارسی :

کشمیری پنڈت انشا پرداز اور سیاست دان ہی نہ تھے فارسی کے قادر الکلام شاعر بھی تھے ۔ ورود اسلام کے بعد تاریخ کے مختلف ادوار میں جن جن کشمیری برہمنوں نے فارسی شعر و ادب میں نام پیدا کیا ۔ ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں ۔

پنڈت چندر بھان برہمن (شاگرد علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی) پنڈت ست رام بقا ، پنڈت لچھمی رام سرور ، پنڈت دیا رام کاچرو ، پنڈت تابہ رام ترکی ، پنڈت کمند رام ہندو ، پنڈت لسہ کول بہار ، پنڈت نند لال در بیخود ، پنڈت ہرہ کول حضوری ، پنڈت دیاناتھ رنگین ، مہتاب جیوترسل روشن ، پنڈت گوبند رام زیرک ، پنڈت بیربل کول سخنور ، پنڈت دامودر ترمل سعادت ، کیلاش کول صبا ، ویدھ لال در طالع ، راج کاک فرخ وغیرہ ۔

خطۂ کشمیر کے برھمن شاعروں کے چند نام گنوانے سے ہمارا مقصد صرف یہ دکھانا ہے کہ شاعری کی روایت ، تصوف کا ذوق اور فارسی زبان کی حلاوت اقبال کو اپنے انہی اجداد سے ورثہ میں ملی تھی ۔

اقبال کے دور میں فارسی کے وطن ــــ ایران کی سرحدیں سمٹ رہی تھیں ۔ سعدی و حافظ ، فردوسی و نظامی جیسے عظیم شاعر پیدا کرنے والی ایرانی قوم سیاسی طور پر دم توڑ رہی تھی ۔ ان حالات میں کشمیر کے ایک مایہ ناز برھمن زادے ــ اقبال نے اپنے فلسفی اور انقلابی پیغام کے لیے فارسی کو ذریعۂ اظہار بنایا ۔ اور اس زبان کو ایک بار پھر زندہ کردیا ۔ کہا جاتا ہے کہ شروع میں کشمیری پنڈتوں کی چھ گوتیں تھیں ۔ دتا تریہ ، بھاردواج ، گوتم ، دزگول ،اوپامنی ، دھوم ، اس کے بعد ان کی گوتیں ایک سو تینتیس ہو گئیں(٦) ان ایک سو تینتیس گوتوں میں مشہور گوتوں کے نام یہ ہیں ۔ بٹ (بھٹ) ۔ نہرو ۔ پال ۔ کچلو ۔ کاک ۔ در ۔ دھر ۔ کاچرو ۔ رینہ ۔ رازدان ۔ ہزار ۔ کا تجو ۔ کول ۔ مصری ۔ سپرو ۔

لفظ سپرو کی تحقیق :

علامہ اقبال کشمیری پنڈتوں کی گوت سپرو سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے مورث اعلیٰ موضع چکو پرگنہ آدون (وادی کشمیر) کے رہنے والے تھے ۔ لفظ سپرو کے معنی میں محققین نے اختلاف کیا ہے ۔ مرحوم محمد الدین فوق نے سپرو کے معنی لکھے ہیں : وہ لڑکا جو چھوٹی عمر میں بڑوں کی سی ذہانت دکھائے ۔ خود علامہ نے اس مفہوم کی تردید نہیں کی ۔ البتہ انہوں نے ایک اور مفہوم بھی دیا ہے جو اپنے والد سے سنا تھا ۔ علامہ فوق کے نام اپنے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں ۔

"البتہ کشمیری برھمنوں کی جو گوت سپرو ہے اس کے اصل کے متعلق جو والد سے سنا وہ عرض ہے ۔

جب مسلمانوں کا کشمیر میں دور دورہ ہوا تو براہمہ کشمیر مسلمانوں کے علوم و زبان کی طرف بوجہ قدامت پرستی یا اور وجوہ کے توجہ نہ کرتے تھے ۔ اس قوم میں سب سے پہلے جس گروہ نے فارسی زبان وغیرہ کی طرف توجہ کی اور اس میں امتیاز حاصل کر کے حکومت اسلامی کا اعتماد حاصل کیا وہ سپرو کہلایا ۔ اس لفظ کے معنی ہیں ۔ وہ شخص جو سب سے پہلے پڑھنا شروع کرے رفتہ رفتہ یہ نام ایک گوت ہو کر رہ گیا ۔(۷)،،

لفظ سپرو کا ایک تیسرا مطلب بھی علامہ نے خود ہی تحریر کیا ہے ۔ وہ فوق کو لکھتے ہیں ۔

”دیوان ٹیک چند ایم ۔ اے جو پنجاب میں کمشنر تھے ان کو تحقیق لسان کا بڑا شوق تھا ۔ ایک دفعہ انبالہ میں انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ لفظ سپرو کا تعلق ایران کے قدیم بادشاہ شاپور سے ہے ۔ اور سپرو حقیقت میں ایرانی ہیں جو اسلام سے بہت پہلے ایران کو چھوڑ کر کشمیر میں آباد ہوئے ۔ اور اپنی ذہانت و فطانت کی وجہ سے برھمنوں میں داخل ہو گئے ۔ واللہ اعلم(۸)،،

خط کے آخر میں واللہ اعلم لکھ کر علامہ نے اس زائے کو مشکوک قرار دیا ہے ۔ ویسے بھی دیوان ٹیک چند دور کی کوڑی لائے ہیں ۔ انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ سپرو کا تعلق بادشاہ شاپور سے کیسے ہے ۔ کیونکہ تاریخ نہیں بتاتی کہ کسی ایرانی بادشاہ نے ترک وطن کر کے کشمیر میں سکونت اختیار کی ہو ۔ اگر یہ کہا جائے کہ شاپور کے عہد میں کچھ ایرانی کشمیر آ گئے ہوں گے تو یہ مفروضہ اس لحاظ سے غلط ٹھرتا ہے کہ رعیت بادشاہ کے نام کی نسبت سے اگر شاپوری اور پھر سپرو بنی ہے ۔

تو اس نام کا کوئی خاندان ایران میں بھی تو ہونا چاہیے تھا حالانکہ وہاں کوئی ایسا خاندان نہیں ملتا ۔

جائے سکونت :

رہا علامہ کے آبا و اجداد کی جائے سکونت کا مسئلہ تو اس سلسلے میں ابھی تحقیق کی بہت ضرورت ہے ، معلوم ہوتا ہے کہ سیالکوٹ آ جانے کے بعد آپ کے بزرگوں کا تعلق اپنے آبائی وطن سے بالکل ہی منقطع ہو گیا تھا ۔ اس قطع تعلق کے اسباب کئی ہو سکتے ہیں ۔ مثلاً راستے کی صعوبتیں سیاسی بد امنی اور نئے ماحول میں ضروریات زندگی کی فراہمی کا مسئلہ ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ یہ خاندان اپنی جائے سکونت کا تلفظ بھول بیٹھا ۔ اور سالہا سال تک اسے لوچر کے نام سے یاد رکھا ۔

علامہ ہمیشہ اپنے خاندان کے حالات معلوم کرنے کے لیے بیتاب رہے ۔ چنانچہ ان کے بھتیجے اعجاز صاحب کہتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب اپنے خاندانی حالات کی جستجو کا بڑا شوق رکھتے تھے(۹) ایک دن تاریخ اعظمی کی ورق گردانی کرتے ہوئے علامہ کو اتفاقاً اپنے جد اعلیٰ حضرت بابا لولی حج کا حال مل گیا اس کی تفصیل انہوں نے بڑی مسرت سے اپنے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کے نام خط میں دی ہے ۔ لکھتے ہیں ۔

بابالولی حج :

آپ اور والد مکرم یہ سن کر خوش ہوں گے کہ مدت کی جستجو کے بعد آج اپنے بزرگوں کا سراغ مل گیا ہے ۔ حضرت بابا لولی حج کشمیر کے مشہور مشائخ میں سے تھے ۔ ان کا ذکر خواجہ اعظم کی تاریخ کشمیر میں اتفاقاً مل گیا ہے ۔ والد مکرم نے جو کچھ اپنے بزرگوں سے سنا تھا

وہ بحیثیت مجموعی درست ہے ۔ ان کا اصلی گاؤں لوچر نہ تھا بلکہ موضع چکو پرگنہ آدون تھا ۔ بارہ سال کشمیر سے باہر رہے ۔ اور دیگر ممالک کی سیر میں مصروف رہے ۔ واپس آ کر اشارۂ غیبی پاکر حضرت بابا نصرالدین کے مرید ہوئے ۔ جو حضرت نور الدین ولی کے مرید تھے ۔ بقیہ عمر انہوں نے بابا نصر الدین کی صحبت میں گذاردی ۔ اور اپنے مرشد کے جوار میں مدفون ہیں(۱۰) ۔

بابا نصر الدین شیخ نور الدین ولی کے مرید و خلیفہ تھے ۔ حضرت شیخ کشمیر میں صوفیہ کے ریشیہ سلسلہ کے بانی سمجھے جاتے ہیں ۔ ریشیہ کے احوال اور عوام پر ان کے اثر پر روشنی ڈالنے کے لیے میں آپ کو تھوڑی دیر پیچھے لے جانا چاہتا ہوں !

اس حقیقت کا اعتراف سبھی نے کیا ہے کہ برصغیر پاک و ہند اور کشمیر میں اسلام کی اشاعت بادشاہوں کے توسط سے نہیں ، عارفوں ، صوفیوں اور درویشوں کے ذریعے ہوئی ہے ۔ خاص کر کشمیر میں کسی بھی حکمران نے اسلامی تعلیمات کو جبراً پھیلانے کی کوشش نہیں کی ۔ بلکہ یہ حکمران نہایت روا داری ، انصاف اور مہربانی سے مختلف عقاید و نظریات رکھنے والی رعایا کو شیر و شکر بناتے رہے ۔

اس وقت تک کی تاریخی تحقیقات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ کشمیر میں اسلام ۷۲۵ھ میں ترکستان کے ایک عالم اور صوفی حضرت عبدالرحمٰن بلبل شاہ کے ذریعے پہنچا ۔ کشمیر میں فارسی زبان اسلامی علوم اور اسلامی تصوف کو فروغ دینے والے بھی یہی بزرگ ہیں ۔ اس کے بعد حضرت شاہ ہمدان نے اپنے مریدوں کے ساتھ نزول فرما کر اس چمن کی آبیاری کی ۔ حضرت شاہ ہمدان کے ورود کے کچھ ہی سال بعد حضرت

نور الدین ولی نے اسلامی تصوف کو مقامی رنگ سے ہم آہنگ کر کے وادیٔ کشمیر میں پھیلا دیا ۔ یہ سلسلۂ تصوف ریشیہ اویسیہ کہلاتا ہے ۔

رشی کے معنی :

رشی سنسکرت کے رکھی سے نکلا ہے جس کے معنی عابد ۔ زاہد ۔ حکم ربانی کے ہیں ۔ کشمیر کے رشی لذائذ دینوی سے پرہیز کرتے اور تجرد کی زندگی گذارتے تھے ۔ ترک علائق اور خلوت گزینی ان کی خصوصیت تھی ۔ میوے اور درختوں کے پتے ان کی خوراک تھی ۔ وہ اکثر عوام کی بہتری کے کام کرتے اور پھل والے پودے لگاتے تھے ۔ خواجہ اعظم رشی کی تعریف میں لکھتے ہیں : رشی کسی راگویند کہ از زمرۂ زاہدان و عابدان در ریاضت سخت و صلب تر باشد ۔ وخود را از اولاد و ازدواج فارغ دارد ۔ دست از جمیع آرزوہا و ہوا و ہوس بردارد(۱۱)

ترجمہ : رشی ایسے آدمی کو کہتے ہیں جو زاہدوں اور عابدوں میں بہت ریاضت کرے ۔ اپنے تئیں بیوی بچوں سے فارغ رکھے ۔ تمام آرزووں اورخواہشات سے ہاتھ اٹھا لے ۔

شیخ نور الدین :

شیخ نور الدین کے جد بزرگوار علاقہ کشتوار کے راجہ تھے ، شیخ کے باپ سلت سنز نے سید حسین سمنانی کی خدمت میں کولگام پہنچ کر اسلام قبول کیا تھا اور وہ شیخ سالار کے نام سے مشہور ہوئے ۔ نور الدین ۷۷۹ھ میں پیدا ہوئے اور ان کی وفات ۸۴۲ھ میں ہوئی ۔ مزار چرار شریف میں مرجع خلائق ہے ۔ شمس العارفین سے تاریخ وفات نکلتی ہے ۔

حضرت ولیؒ کے خلفاء :

حضرت ولی خود بھی نومسلم تھے ۔ اور ان کے خلفا بابا قطب الدین بابا بام الدین ۔ بابا زین الدین ۔ بابا لطیف الدین اور بابا نورالدین سبھی نومسلم تھے ۔

بابا قطب الدین سادھو تھے اور ایمان لانے سے پہلے ان کا نام کت پنڈت تھا ۔ مسلمان ہونے کے بعد آپ کے خلیفہ بنے وہ چرار شریف میں شیخ کے مقبرے کے نزدیک مدفون ہیں ۔ بابا بام الدین برھمن تھے اور بومہ ساوی نام رکھتے تھے ۔ ساری زندگی بومہ زوہ میں گذاری اور وہیں دفن ہوئے ۔

بابا زین الدین بھی کرامت دیکھ کر حضرت شیخ کے دست مبارک پر مسلمان ہوئے تھے ۔ ان کا نام زیا سنگہ تھا اور وہ علاقہ کشتوار کے باشندہ تھے ، لدی رینہ مسلمان ہوکر بابا لطیف الدین کہلائے ۔ انہوں نے مدت تک موضع پوشکر میں شیخ کے طریقے پر خدا کی عبادت کی اور وہیں مدفون ہوئے(۱۲)

بابا نصر الدین :

آپ موضع ترسر پرگنہ کوٹھار کے باشندہ تھے ۔ کہتے ہیں ان کو پیٹ کی تکلیف رہتی تھی ۔ حضرت شیخ ولی کی کرامت سے یہ تکلیف جاتی رہی تو آپ مرشد کے قدموں میں ہی رہنے لگے ۔ اس طرح بیمار نصر ایک درویش کی دعا سے تندرست ہوکر بابا نصر الدین کہلائے اور اپنے مرشد کے منصب خلافت پر فائز ہوئے ۔ آپ جہان فانی سے انتقال کرنے

کے بعد مرشد کے جوار میں آسودۂ خاک ہیں(۱۳) آپ ۸۵۵ھ / ۱۴۵۱ء میں فوت ہوئے ۔ عارف بالکہ نصر الدین مادۂ تاریخ ہے(۱۴) ۔

یہی بابا نصر الدین علامہ کے جد اعلیٰ بابا لولی حج کے مرشد روحانی تھے ۔ افسوس ہے کہ بابا نصر الدین کے مفصل سوانح اور ان کی تاریخ تولد ہمیں نہیں مل سکی ورنہ ہم آسانی سے آپ کا اور آپ کے مرید صادق بابا لولی حج کا عہد متعین کر کے بہت سارے تاریخی واقعات کو زیادہ وضاحت اور یقین کے ساتھ بیان کر سکتے ۔

حضرت شیخ نور الدین ولی کا سال وفات ۸۴۲ ہجری ہے جو عیسوی سال ۱۴۳۸ کے مطابق ہے ۔ اگر بابا لولی حج جوانی گذارنے اور بارہ سال سفر میں رہنے کے بعد اشارۂ غیبی سے چالیس سال کی عمر میں اور ۱۴۵۰ء کے لگ بھگ بابا نصر الدین کے مرید ہوئے ہوں تو ان کی وفات کو ۱۴۸۰ء کی حدود میں فرض کیا جاسکتا ہے ، اس طرح علامہ کے مورث اعلیٰ کی وفات سے لے کر ان کے خاندان کی ھجرت تک جو غالباً اٹھارھویں صدی کے آخر میں واقع ہوئی ۔ تقریباً تین صدیوں کا عرصہ بنتا ہے ۔

اس زمانے میں عمریں عموماً ساٹھ سے سو سال تک ہوتی تھیں ۔ ہم اگر ایک اوسط عمر یعنی اسی سال ایک نسل کے لیے مقرر کریں تو بابا لولی حج کی وفات سے اٹھارھویں صدی کے آخر تک کم و بیش چار نسلیں ماننا پڑیں گی ۔

علامہ کے مورث اعلیٰ کا قبول اسلام :

علامہ کے مورث اعلیٰ کب مسلمان ہوئے اور ان کی اولاد نے

ہجرت کب کی ۔ ان سوالوں کا اطمینان بخش جواب ہمیں نہیں ملتا ۔ روز گار فقیر کے مؤلف اس امر کے بارے میں بالکل خاموش ہیں کہ علامہ کے جد اعلیٰ نے اسلام کب قبول کیا ۔ البتہ وہ یہ رائے ضرور دیتے ہیں کہ اٹھارھویں صدی کے آخر میں یا انیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں یہ ہجرت ہوئی ہوگی(۱۵) ۔

علامہ کے معاصر کشمیری ادیب و محقق محمد الدین فوق مرحوم لکھتے ہیں ، کہ شیخ صاحب کے جد اعلیٰ قریباً دو سو سال ہوئے کہ مسلمان ہوئے تھے(۱۶) ۔ فوق نے یہ رائے ۱۹۰۹ء میں پیش کی تھی ۔ ہم دو سو سال پیچھے چلیں تو اٹھارھویں صدی کے بالکل ابتدائی سال بنتے ہیں ۔

سیرت اقبال کے لائق مؤلف محمد طاہر فاروقی نے تو اور بھی کمال کر دیا ہے ۔ وہ رقم طراز ہیں کہ آپ کے اجداد سترھویں صدی عیسوی میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور تقریباً اسی زمانہ میں کشمیر سے ترک وطن کرکے مختلف اطراف میں پھیل گئے(۱۷) ۔ اگر یہ بات صحیح ہے کہ بابا لولی حج نے اسلام قبول کیا تھا اور وہ بارہ سال سیر و سفر میں گذارنے کے بعد بابا نصر الدین کے مرید ہوئے تو فوق اور فاروقی دونوں کی آرا سے اختلاف کے کئی پہلو نکلتے ہیں ۔ اولاً یہ کہ بابا لولی حج پندرھویں صدی سے تعلق رکھتے ہیں اور فوق نے جس زمانہ میں مضمون سپرد قلم کیا اس وقت ان کو چار سو سال کا عرصہ گزر چکا تھا ۔ ثانیاً یہ کہ آپ کے اجداد سترھویں صدی عیسوی میں مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے اور اسی زمانہ میں ترک وطن بھی نہیں کیا ۔ یاد رکھنا چاہیے کہ سپرو گوت کے ایک ہی مسلمان بزرگ سیالکوٹ میں آئے تھے ۔ پورا خاندان مختلف اطراف میں نہیں پھیلا ۔ اس پر شہادت یہ ہے کہ کشمیری پنڈت مسلمان ہوکر

بھی اپنی کفو اور گوت کا زبردست خیال کرتے تھے ۔ بیاہ شادی کے سلسے میں وہ خاص طور سے کٹر سمجھے جاتے تھے ۔ چنانچہ خود علامہ بھی تلاش کرتے رہے کہ اگر پنجاب میں سپرو گوت کا کوئی خاندان موجود ہو تو اس میں اپنے بھتیجے شیخ اعجاز احمد کی شادی کروا دی جائے ۔ لیکن جستجوئے بسیار کے بعد بھی ان کو کامیابی نہ ہوئی ۔

سپرو گوت کے ایک اور مایہ ناز فرزند سر تیج بہادر تھے ان دو بزرگوں کے علاوہ سپرو خاندان کا ایک اور لائق فرزند پنڈت سنہر رام کا سراغ ملتا ہے جسے ۱۸۱۳ء میں سردار محمد اعظم خان افغانی نے اپنا وزیر اعظم منتخب کیا تھا(۱۸) ۔ حسن شاہ نے اسے ور لکھا ہے(۱۹) ۔

لولی حج کے احوال :

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم بابا لولی حج کے سوانح پر ذرا گہری نظر ڈالیں اور یہ دیکھیں ہمارے تذکرہ نگاروں نے ان کے بارے میں جو کچھ تحریر کیا ہے اس میں درست کتنا ہے اور نا درست کس قدر ۔

خواجہ محمد اعظم دیدہ مری کی تاریخ واقعات کشمیر میں بابا لولی حج کی زندگی سے متعلق جو واقعہ درج ہے اور جسے پڑھ کر علامہ نے اپنے بھائی شیخ عطا محمد کو خط لکھا تھا ۔ اس کی اصل عبارت یوں ہے ۔

"بابا ولی حاجی از ساکنان موضع چکو پرگنہ آدون بود ۔ زنی خواستہ بود ۔ وقت صحبت زنش خوش نکردہ خلع بمیان آمد ۔ این معنی موجب برودت دلش از دنیا شدہ ۔ راہ کعبہ گرفت ۔ دوازدہ سال سیاحت کردہ بہ کشمیر آمدہ ۔ باشارت غیبی مرید حضرت بابا نصر الدین شد و بقیہ عمر در خدمت و صحبت او گذرانید ۔ وقت رحلت در آستانہ چرار درجوار پیر بزرگوار آسود(۲۰)"۔

ترجمہ : بابا لولی حاجی موضع چکو پرگنہ آدون کے رہنے والے تھے۔ آپ نے شادی کی تو صحبت کے وقت وہ عورت آپ کو پسند نہ آئی ۔ چنانچہ جدائی ہو گئی ۔ اس بات نے ان کے دل کو دنیا سے بیزار کر دیا ۔ کعبہ کی راہ لی ۔ بارہ سال سیاحت کر کے کشمیر لوٹے ۔ اشارۂ غیبی سے حضرت بابا نصر الدین کے مرید ہوئے اور باقی عمر ان کی خدمت میں گزار دی ۔ انتقال کے بعد چرار میں اپنے مرشد بزرگوار کے مزار کے پاس دفن کئے گئے ۔

حاجی محمد مسکین اپنے تذکرہ تحائف الابرار میں بابا لولی حاجی کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

ولادتش در موضع چکو حلبند پرگنہ آدون بود ۔ هردو چشم و پایش کج بود ۔ پس ویرا داعیۂ تزویج بظہور آمد ۔ و بازنی نکاح بربست چو منکوحہاش صورت ویرا بدید و بخندید ۔ دل بابا ازوی متنفر گردید پس کمر همت بربستہ برآمد ۔ سفر زیارت حرمین شریفین نمود و پس از تشریف یابی بزیارت مبارک چون مراجعت بجانب کشمیر کرد ۔ در خدمت بابا نصر الدین روی ارادة آوردہ گوی تجرید و تفرید ربود ۔ چون رحلت کرد در مقبرہ مرشد آسود و بعضے نوشتہ اندکہ در قریہ زالرہ پرگنہ کامراج مدفون است(۲۱) ۔

ترجمہ : ان کی ولادت موضع چکو حلبند پرگنہ آدون میں ہوئی ۔ ان کی دونوں آنکھیں اور پاؤں ٹیڑھے تھے ۔ ان کو نکاح کرنے کی خواہش ہوئی تو ایک عورت کے ساتھ عقد نکاح کر لیا ۔ جب بیوی نے ان کو دیکھا اور ان کی حالت پر ہنسی تو بابا کا دل اس سے بیزار ہوگیا ۔ پس وہ کمر ہمت باندھ کر نکل کھڑے ہوئے ۔ حج کا سفر کیا ۔ اور اس سعادت کے بعد جب کشمیر لوٹے تو بابا نصر الدین کے حضور حاضر ہو کر

تجرید و تفرید میں گوئے سبقت لے گئے ۔ انتقال کرنے پر مرشد کے مقبرہ میں آسودۂ خاک ہوئے ۔ بعض نے لکھا ہے کہ وہ پرگنہ کامراج کے زالرہ گاؤں میں مدفون ہیں ۔ لیکن اس خیال سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا ۔

حاجی مسکین نے بعض مفید معلومات بھی دی ہیں ۔ لیکن ساتھ ہی بابا لولی حاجی سے ایسے واقعات بھی منسوب کر دیئے ہیں جن کو ماننے سے عقل انکار کرتی ہے ۔ مثلاً یہ کہ ان کی آنکھیں اور پاؤں کج تھے ۔ اگر یہ بات درست ہے تو پھر ان کو داعیہ ترویج کیوں کر ہوا ۔ اور جب آپ بیوی سے متنفر ہو گئے تو اپاہج ہونے کی صورت میں طویل سفر کرنے پر کمر ہمت کیسے باندھی ۔ اس قصہ کو اگر صحیح مان لیا جائے تو پھر اس مشکل کا جواب کیا ہوگا کہ ایک اپاہج اور ''کج پا درویش'' کا سلسلہ نسب کیسے چلا ۔

اولیائے کشمیر پر ہم نے متعدد مستند تذکروں اور کتب تواریخ کا مطالعہ کیا ہے لیکن بابا لولی حاجی کا تذکرہ واقعات کشمیر اور تاریخ کشمیر کے علاوہ کسی کتاب میں دستیاب نہیں ہوا ۔ اگر احوال اشخاص اور واقعات تاریخ کے ردو قبول میں عقل کو میزان و معیار بنانا جائز ہے تو پھر یہ نتیجہ نکالنا بھی جائز ہوگا کہ حضرت بابا لولی حاجی ایک سالم الجسم اور سلیم الطبع نو مسلم صوفی تھے ۔ وہ شادی کر کے صاحب اولاد ہوئے ان کے عشق رسول کی کیفیت یہ تھی کہ وہ پیدل سفر حج پر نکل کھڑے ہوئے(۲۲) ۔ اس زمانے میں کشمیر سے پنجاب پہنچنے کا عام راستہ پیر پنجال ۔ سیالکوٹ تھا ۔ گمان غالب یہی ہے کہ آپ بھی اسی راستے سیالکوٹ اور پھر وہاں سے دیار حبیب پہنچے ہوں گے ۔ بارہ سال سیر آفاق کرنے کے بعد جب یہ ''درویش خدا مست'' اپنے وطن لوٹ کر آیا تو اس زمانے میں شیخ نور الدین ولی کے خلیفۂ چہارم بابا نصرالدین

کی خلافت معنوی کا دور دورہ تھا ۔ بابا لولی حاجی اشارۂ غیبی پاکر ریشیہ اویسیہ سلسلہ کے اس عظیم المرتبت صوفی کے مرید ہو گئے اور صبح و شام اپنے مرشد کے حضور رہنے لگے ۔ مرشد کی وفات پر آپ ان کے خلیفہ بنے ۔

خواجہ محمد اعظم اور حاجی محمد مسکین اس بات پر متفق ہیں کہ آپ اپنے مرشد کے قبرستان یعنی چرار شریف میں سپردخاک کئے گئے ۔ حاجی مسکین نے اس روایت کا ماخذ نہیں بتایا کہ ان کا مزار قریہ زالرہ میں ہے ۔ نہ ہی کسی اور تذکرے سے اس کی تصدیق ہو سکی ہے ۔

بابا لولی حاجی ایک درویش عبادت گذار ہی نہ تھے ۔ وہ بابا نصر الدین کے خلیفہ بھی تھے ۔ مشائخ کشمیر میں ان کا مرتبہ بہت اونچا تھا ۔ سینکڑوں مرد و زن آپ کے مرید تھے ۔ ان مریدوں میں جن جن حضرات نے روحانیت میں منازل سلوک طے کئے اور وادی میں خلق خدا کی رشد و ھدائت کا سبب بنے ۔ ان میں سے بابا رکن الدین اپی ریشی اور زنبور ریشی نے بڑی شہرت پائی ۔ اپی ریشی بابا لولی حاجی کے خلیفہ بنے ۔ زنبور ریشی موضع لاجورہ پتہ چھرات کے رہنے والے تھے(۲۳) بدقسمتی ہے کہ تواریخی ماخذ نہ ہونے کی وجہ سے بابا لولی حاجی سے لے کر علامہ کے پیر دادا شیخ جمال الدین تک نسب اور روحانیت دونوں سلسلوں کے حلقے غائب ہیں ۔ ہم نے سرینگر اور پاکستان کے بعض محققین سے اس بارے میں استفسار بھی کیا تھا کہ علامہ کی جائے سکونت ، شجرۂ نسب اور شیخ نور الدین ولی کے شجرۂ خلافت پر معلومات بہم پہنچانے میں ہماری مدد فرمائیں مگر افسوس ہے کہ ان حضرات نے ہمیں مایوس کیا ۔

لفظ بابا کی تحقیق :

صوفیۂ کشمیر کے تذکروں میں مشائخ کے ناموں کے شروع میں لفظ بابا تحریر ہے - جس کے معنی بزرگ و محترم کے ہیں - لولی حاجی کو بھی بابا لکھا گیا ہے - بنابریں ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم لگے ہاتھوں اس لفظ کی تحقیق بھی کرتے چلیں تاکہ لولی حاجی (لولی حج) کی پوری شخصیت ہمارے سامنے ابھر کر آسکے -

کشمیر کے ممتاز مورخ حسن شاہ نے کشمیری اقوام کی توضیحات کے ضمن میں قوم بابا کی تعریف اس طرح کی ہے -

ذاتی قبیلہ نیست بلکہ لقب فرعی است - یعنی کسی کہ بہ اعمال صالحہ و افعال شایستہ مقبول خلائق گردد او را بابا یا شاہ می گویند(۲۸)-

ترجمہ : بابا قوم کوئی ذاتی قبیلہ نہیں بلکہ یہ تو ایک فرعی لقب ہے - یعنی وہ آدمی جو نیک اعمال کی بدولت عوام میں مقبول ہو اسے بابا یا شاہ کہتے ہیں -

اس توضیح سے بھی ہمارے دعویٰ کی تصدیق ہوتی ہے کہ بابا لولی حاجی کا زہد و تقویٰ ، پاکیزگی و طہارت ، اور خدمت خلق کی وجہ سے کشمیر کے مشائخ کبار میں شمار ہوتا تھا -

لفظ شیخ کی تحقیق :

عربی میں شیخ عمر رسیدہ ، عالم اور مرشد کو کہتے ہیں - مگر برصغیر پاک و ہند میں یہ لفظ وہ لوگ اپنے لیے استعمال کرتے رہے ہیں جو نئے نئے مسلمان ہوئے ہوں -

ریاست جموں و کشمیر کے وہ مقامی باشندے شیخ کہلاتے ہیں جو شاہمیری اور چک سلاطین کے عہد حکومت میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ پیر حسن ''قوم شیخ'' کے بارے میں اس طرح رقمطراز ہیں۔ اصلی باشندگان کشمیر کہ در عہد سلاطین کشمیر مسلمان شدہ اند ہمہ را شیخ می گوئیند(۲۵)۔

ترجمہ: کشمیر کے اصل باشندے جو سلاطین کشمیر کے عہد میں مسلمان ہوئے، سب کو شیخ کہا جاتا ہے۔

علامہ کو بھی شیخ اسی لیے کہا گیا کہ ان کے بزرگ شاہمیری خاندان کے دور حکومت میں مسلمان ہوئے تھے۔

باب دوم

سفر خوشبو ، سیالکوٹ ہی کیوں ، علما کی مہاجرت

سفر خوشبو :

علامہ کے بزرگ کشمیر سے کیوں اور کب نکلے ! اس سوال کا تسلی بخش جواب تو نہیں دیا جاسکتا ۔ لیکن یہ بات مسلم ہے کہ اقوام و افراد کا آنا جانا شروع سے ہی کشمیر میں رہا ہے ۔ تاریخ بتاتی ہے کہ کشمیر میں داخل ہونے والوں کی تعداد سے زیادہ وہاں سے نکلنے والوں کی تعداد رہی ہے ۔ اس کے بیشمار اسباب تلاش کئے جا سکتے ہیں ، خشک سالی ، وبا ، مذہبی فسادات ، بےموسم برف و باران، طغیانی ، قحط ، اقتصادی بدحالی ، اور سیاسی افراتفری چند ایسے اسباب ہیں جو لوگوں کو جنت ارضی سے نکلنے پر مجبور کرتے رہے ہیں ۔

پیر حسن نے طغیانی کے سولہ ، آتش زنی کے اٹھارہ ، مذہبی فسادات کے بیس ، زلزلہ کے تیرہ ، وبا کے دس اور قحط سالی کے انیس واقعات درج کئے ہیں ، جو ہندو اور مسلم عہد میں کشمیر میں رونما ہوئے(۲۶) ۔

علامہ نے ترک وطن کا سبب سیر و سیاحت ، ترقی تجارت اور حصول روز گار قرار دیا ہے ۔ آپ نے دسمبر ۱۹۰۸ء میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ امرتسر میں نواب سلیم اللہ کو فارسی میں جو سپاس نامہ پیش کیا ۔ اس میں آپ فرماتے ہیں ۔ پوشیدہ نیست کہ اسلاف ما بغرض سیر و سیاحت و ترقی تجارت و حصول روز گار

راہ غربت گرفتند و از قطعۂ جنت نظیر خویش انفراق نمودہ درین ملک ہندوستان بہ مقامات مختلفہ اقامت ورزیدند(۲۷) ۔

ترجمہ : پوشیدہ نہیں کہ ہمارے اسلاف نے سیر و سیاحت ، ترقی تجارت اور حصول روز گار کی خاطر غربت کی راہ لی اور جنت نظیر کے خطہ سے جدا ہوکر ہندوستان کے مختلف مقامات میں آبسے ۔

تاریخ کے مختلف ادوار میں اہل کشمیر ترک وطن کر کے پنجاب بھارت یہاں تک کہ ڈھاکہ تک پہنچے اور پھر وہیں آباد ہو گئے تھے ۔

کشمیر پر ایک سو سڑسٹھ سال تک مغلوں کی حکومت رہی مغل بادشاہ اکثر کشمیر جایا کرتے اور وہاں کی رعیت کی فلاح و بہبود ملک کی تعمیر اور باغات کی تزئین پر خاص توجہ دیتے ۔ اس عہد میں کشمیر نے تمدنی ، معاشرتی ، مذہبی ، ادبی لحاظ سے زبردست ترقی کی ۔ لیکن بدقسمتی سے اورنگ زیب کے دور اقتدار میں کشمیر سے توجہ ہٹانے کا آغاز ہوا ۔ مغل شہزادے باہمی رقابتوں اور ریشہ دوانیوں کے سبب کشمیر پر توجہ نہ دے سکے ۔ دہلی کی طرف سے کشمیر میں نالائق اور عیاش گورنر بھیجے جانے لگے ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ حسین و پر امن وادی خانہ جنگی ، فرقہ وارانہ فسادات ، غربت ، لا قانونیت اور قحط کا شکار ہوکر رہ گئی ۔ پارمو کے بقول ان حالات نے اکثر لوگوں کو اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا ۔ مزید برآں زلزلے اور سیلاب جو آئے دن وادی میں آتے رہتے تھے ترک وطن کا سبب بنے(۲۸) ۔

اورنگ زیب کی وفات یعنی ۱۷۰۷ء سے لے کر افغانوں کے عہد کے آغاز یعنی ۱۷۵۲ء تک کا دور کشمیر کی سیاسی اور معاشرتی تاریخ میں بدترین دور تھا ۔ اٹھارھویں صدی کے اسی ابتدائی دور میں چکو کا سپرو

برھمن ـــ شیخ جمال دین اپنے چار فرزندوں ـ شیخ عبدالرحمن ـ شیخ محمد رمضان ـ شیخ محمد رفیق اور شیخ عبدالرشید کو ساتھ لے کر اس فردوس روئے زمیں سے نکل کھڑا ہوا اور کئی دنوں کی مسافت کے بعد سیالکوٹ آن پہنچا ـ

سیالکوٹ ہی کیوں ؟

یہاں پر میرے ذہن میں جو سوال ابھرتا ہے اور یقین ہے کہ اقبال پر کام کرنے والے کئی دوسرے حضرات بھی ایسا ہی سوچتے ہوں گے یہ ہے کہ علامہ کے پردادا نے اقامت کے لیے سیالکوٹ شہر کو ہی کیوں منتخب کیا ـ اس سوال کا ممکن ہے کوئی اور جواب بھی ہو ـ مگر جہاں تک میں سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ سیالکوٹ کے ساتھ قدیم ایام سے ہی کشمیر کے تمدنی ، تجارتی ، اور سیاسی تعلقات رہے ہیں ـ

سیالکوٹ مہاجرت کرنے والوں میں تاجر ، صنعت کار اور عالم زیادہ تھے ـ کشمیر سے ہجرت کر کے سیالکوٹ آباد ہونے والے علماً میں ملا کمال کا نام سر فہرست ہے ـ

علماً کی مہاجرت :

ملا کمال کے دادا ، قاضی ابراھیم میرزا حیدر دغلت کے عہد حکومت میں سرینگر کے قاضی تھے ـ ان کے بیٹے میر موسی یعقوب شاہ چک کے دور میں قاضی کے منصب پر فائز تھے ـ ان کو سنی شیعہ فساد کے دوران یعقوب شاہ مذکور کے حکم سے شہید کر دیا گیا تھا ـ

باب اول

آریا ، کشمیری برھمن ، وادی میں ورود اسلام ، کشمیری پنڈت اور فارسی لفظ سپرو کی تحقیق ، جائے سکونت بابا لولی حج ، رشی کے معنی ، شیخ نور الدین ، بابا نصر الدین ، علامہ کے مورث اعلیٰ کا قبول اسلام ، لولی حج کے احوال ، لفظ بابا کی تحقیق ، لفظ شیخ کی تحقیق ۔

آریا :

برصغیر پاک و ھند میں آریا قبائل مختلف وقتوں میں آ کر آباد ہوتے رہے ۔ ان کی مذھبی اور عام بول چال کی زبان سنسکرت تھی ۔ انتظامی ضرورت کے پیش نظر ان قبیلوں نے انسان کو چار طبقوں میں تقسیم کر دیا تھا ۔ یعنی ۔ برھمن ۔ کھشتری ۔ ویش ۔ اور شودر ۔ ھندو عقیدہ کی رو سے برھمن برھما (خدا) کے سر سے پیدا ہوا ۔ چنانچہ برھمن کا منصب یہ قرار دیا گیا کہ وہ عقل و دانش فہم و فراست اور علم و روحانیت کا محافظ و مبلغ ہو ۔ ہر قسم کی علمی مذھبی اور روحانی تعلیم و تربیت کا حق صرف برھمن ہی کو دیا گیا ۔ برھمن کے لیے دانش مند ۔ راست باز ۔ باحوصلہ ۔ منصف مزاج ۔ عبادت گذار اور عالم ہونا ضروری تھا (۱) ۔

وادی کشمیر کو بھی آریا ورت کے باقی حصوں کی طرح آریاؤں نے اپنا مسکن بنایا ۔ اور ھندو تمدن کی بنیاد رکھی ۔ کشمیر کے قدیم

• میر موسی شہید کے تینوں فرزند ۔۔ ملا میر کمال ۔ ملا جمال اور ملا میر صالح مسلم الثبوت عالم تھے ۔ خاص طور سے ملا میر کمال تو پورے برصغیر پاک و ھند میں آج بھی مشہور ہیں ۔

ملا میر کمال بابا فتح اللہ حقانی کے شاگرد تھے ۔ جب بابا فتح اللہ کشمیر کو چھوڑ کر سیالکوٹ چلے آئے تو ان کے ہمراہ ملا میر کمال اور میر جمال بھی آ گئے تھے ، یہ دونوں کشمیری عالم بعد میں بابا فتح اللہ کے داماد بھی ہو گئے ۔ تحصیل علوم کے بعد ملا میر کمال مسجد میاں وارث میں تعلیم دیتے رہے ۔ ان کے تین شاگرد اسلامی ھند کے علاوہ بلاد اسلامیہ میں بھی بے حد مقبول و مشہور ہوئے ۔ یعنی علامہ عبدالحکیم نواب سعد اللہ خان علامی اور شیخ احمد سرھندی (مجددالف ثانیؒ) ملا میر کمال کچھ عرصہ لاہور میں بھی درس دیتے رہے ۔ ان کا انتقال لاہور میں $\frac{\text{۱۶۰۸ء}}{\text{۱۰۱۷ھ}}$ میں ہوا ۔

ملحق حق ، قطب و تاج اولیأ ملا کمال ۔ مادہ تاریخ وفات ہے(۲۹) ۔ سیالکوٹ سے اہل کشمیر کے دیرینہ تعلقات تھے اور یہ شہر پنجاب کے دیگر شہروں کی نسبت تھا بھی نزدیک ۔ بدیں وجہ کشمیری مہاجر اکثر اسی شہر کا رخ کرتے تھے ۔ عبدالقادر سروری کے الفاظ میں ''سیالکوٹ ایک معنی میں کشمیریوں کی نو آبادی تھی جہاں کشمیر کے علما اور تاجر آ کر بس جایا کرتے تھے(۳۰) ۔

سیالکوٹ کے علاوہ اس دور میں کشمیری مہاجرین لاہور ، امرتسر ، دھلی ، لکھنؤ ، الہ آباد ، ڈھاکہ وغیرہ میں جا کر آباد ہو گئے ۔ جن جن کشمیری نژاد بزرگوں نے برصغیر پاک و ھند میں شہرت پائی ان میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی یہ ہیں ۔

سیاست : جواہر لال نہرو ۔

اردو شاعری : حکیم مومن خان مومن دہلوی ۔ چکبست ۔
پنڈت برجموہن د تاتریہ کیفی ۔

سیاسی و اجتماعی خدمات : نواب سلیم اللہ خان ۔

اردو مثنوی گوئی : دیا شنکر نسیم ۔

قانون و سیاست : سر تیج بہادر سپرو ۔

علوم دینیہ : مولانا انور شاہ دیوبندی ۔

ڈرامہ : آغا حشر کاشمیری ۔

افسانہ : سعادت حسن منٹو ۔ کرشن چندر ۔

تصنیف و تحقیق : محمدالدین فوق ۔

خطابت : سید عطا اللہ شاہ بخاری ۔

فلسفہ : خلیفہ عبدالحکیم ۔

صحافت : چراغ حسن حسرت ۔

جنگ آزادی : شورش کاشمیری ۔

—: ❁ :—

باب سوم

سیالکوٹ میں شادی ، یک دانای راز آید برون ، ابتدائی تعلیم ، برھمن زادہ ، کشمیر کے نام ، کشمیر سے علامہ کی دلچسپی ، کشمیر کا غم ،

سیالکوٹ میں :

ابھی تک پوری طرح یہ تحقیق نہیں ہو سکی کہ علامہ کے پردادا شیخ جمال الدین بھی ہجرت کر کے سیالکوٹ آئے تھے یا ان کے چار فرزند اکیلے ہی آئے تھے ۔ امکان یہی ہے کہ یہ بزرگ اپنے چار بیٹوں کو ہمراہ لے کر سیالکوٹ آئے تھے ۔

انیسویں صدی کے شروع میں یہ چاروں بھائی سیالکوٹ میں مقیم تھے(۳۱) علامہ کے دادا شیخ محمد رفیق اور ان کے دو بھائی شیخ عبدالرحمن اور شیخ محمد رمضان سیالکوٹ میں اور شیخ محمد عبداللہ سیالکوٹ کے نزدیک موضع جیٹھی میں رہتے تھے(۳۲) ان چاروں کشمیری شیوخ کے پیشوں کے بارے میں بھی ہمیں معلومات نہیں ہیں ۔ لیکن چوں کہ وہ "چرب دست و تر دماغ،، قوم کے فرزند تھے اس لیے بعید نہیں ہے اگر انہوں نے تجارت اور صنعت و حرفت کا پیشہ اپنایا ہو ۔ کشمیر سے سیالکوٹ پہنچ کر پہلے پہل یہ حضرات محلہ کھیتکاں کے ایک مکان میں رہنے لگے ۔

ہم نے اوپر کہا ہے کہ سیالکوٹ میں پہلے ہی کشمیری خاندان آباد تھے چنانچہ علامہ کے دادا شیخ محمد رفیق کی پہلی شادی سیالکوٹ کے

کشمیری خاندان میں ہی ہوئی تھی - ان کی یہ بیوی بے اولاد وفات پا گئی - شیخ مرحوم کی دوسری شادی جلال پور جٹاں کے کشمیری گھرانے میں انجام پائی - اس بیوی سے شیخ مرحوم کے دس بیٹے ہوئے اور سبھی فوت ہو جاتے رہے - شیخ نور محمد گیارھویں بیٹے تھے جو زندہ رہے - علامہ کے والد شیخ نور محمد عرف میاں جی مذھبی اور اخلاق پاکیزگی کے باعث قابل احترام سمجھے جاتے تھے - وہ لکھے پڑھے تو نہ تھے لیکن تھے پابند صوم و صلواۃ اور تصوف کا رنگ ان پر غالب تھا - تصوف و دین داری علامہ کو ورثے میں ملی تھی - علامہ جاوید اقبال کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں -

جس گھر کا مگر چراغ ہے تو
ہے اس کا مذاق عارفانہ

شادی :

میاں جی کی شادی سمڑیال کے ایک کشمیری گھرانے میں ہوئی تھی - بعد میں آپ کی سسرال والے بھی سیالکوٹ آگئے تھے - آپ کی بیوی ، علامہ کی والدہ محترمہ کا اسم گرامی امام بی بی تھا - ان دنوں آپ چوڑی گراں کے بازار میں رہتے تھے - ان کا گھرانہ اس بازار کے کشمیر نژاد خانوادوں میں ایک متوسط لیکن باعزت گھرانہ سمجھا جاتا تھا(۳۳) -

علامہ کی والدہ کا انتقال ۷۸ سال کی عمر میں ۹ نومبر ۱۹۱۴ء کو ہوا - عجیب اتفاق ہے کہ علامہ کی ولادت بھی ۹ نومبر کو ہوئی - ان کے والد چھیانوے سال کی عمر میں ۱۷ اگست ۱۹۳۰ء کو یعنی علامہ کی وفات سے کوئی آٹھ برس قبل انتقال کیا -

پیدائش :

علامہ شیخ نور محمد کے گھر ۹ نومبر ۱۸۷۷ء میں پیدا ہوئے - آپ کے دادا شیخ محمد رفیق نے ۱۸۶۱ء میں وہ حویلی خریدی تھی جو بعد میں اقبال منزل کے نام سے مشہور ہوئی - یہ حویلی دو کوٹھڑیوں ، ایک دالان ، ایک ڈیوڑھی اور صحن پر مشتمل تھی - کچھ سالوں کے بعد اس میں ضرورت کے مطابق اضافہ کیا گیا -

علامہ نے ایک خدا پرست اور پاکیزہ کردار گھرانے میں آنکھ کھولی ، کشمیری پنڈتوں کا یہ خاندان عرفان و تصوف ، ذہانت و فطانت ساتھ لے کر کشمیر سے یہاں آیا تھا - علامہ کو بھی عشق و سرمستی ، ذوق معرفت ، ذہن دراک اور قلب رقیق کی دولت اپنے بزرگوں سے ورثہ میں ملی تھی - کیونکہ یہ سلطنت معنوی اور بادشاہت روحانی بھی دست بدست آتی ہے -

ابتدائی تعلیم :

علامہ نے ابتدائی تعلیم سیالکوٹ ہی میں مکمل کی - انہوں نے مکتب و ملا دونوں سے بھرپور استفادہ کیا - ہم پہلے کسی مقام پر بتا آئے ہیں کہ فارسی دانی کشمیری پنڈتوں کی ایک ایسی خصوصیت رہی ہے جس میں اور قبائل مقابلہ نہیں کر سکتے تھے - بالخصوص زین العابدین بڈھ شاہ کی ترغیب و حوصلہ افزائی سے پنڈتوں نے قابل رشک مہارت بہم پہنچائی تھی اور وہ امور سلطنت و امور مملکت میں اس طرح دخیل ہوگئے تھے کہ ڈوگروں کے عہد تک انہی کا قلم حکومت کر رہا تھا - کشمیری پنڈتوں کی فارسی دانی کے بارے میں فوق لکھتے ہیں -

بڈھ شاہ نے کشمیری برھمنوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ فارسی سیکھیں ۔ چنانچہ اسی زمانہ میں پنڈتوں نے فارسی پڑھنی شروع کی اور تھوڑے عرصہ میں اس قوم میں فارسی کے ایسے نامور شاعر اور عالم فاضل پیدا ہوئے کہ بادشاہ نے ان کی قابلیت کی وجہ سے ان کو سر آنکھوں پر جگہ دی(۳۴) ۔

علامہ کے خاندان میں فارسی دانی کی روایت بہت پرانی تھی ۔ سونے پر سہاگہ یہ ہوا کہ علامہ کو مولوی سید میر حسن ایسے عالم و زاھد کی شاگردی نصیب ہو گئی ۔ چنانچہ علامہ نے سید صاحب سے فارسی اور عربی زبان سیکھ کر اپنے خاندان کا نام زندہ کر دیا ۔

علامہ کی تفصیلی سوانح کی تحقیق و ترتیب ہمارے موضوع سے خارج ہے ۔ ہم صرف اتنا دکھانا چاہتے ہیں کہ کشمیر کے اس نامور سپوت کو اپنے آبائی وطن سے کتنا ذھنی و روحانی تعلق رہا اور علمی طور پر اس نے اہل کشمیر کی آزادی ، و حریت اور بیداری کے لیے کتنا کام کیا ۔ لہذا ناچار ہم بچپن کے عام حالات سے صرف نظر کر کے علامہ کی زندگی کا وہی پہلو سامنے رکھیں گے جس کا تعلق کشمیر سے تھا ۔ علامہ ہمارے دور کے زبردست مفکر ، فلسفی ، شاعر اور مصلح قوم تھے ۔

برھمن زادہ :

ان کو اپنے آبائی وطن --- کشمیر اور اپنی نسب پر ھمیشہ ناز رہا ۔ اور انہوں نے بارہا اس کا اظہار بھی کیا ہے ۔ علامہ کی شخصیت جن عناصر ثلاثہ سے تشکیل پائی تھی ۔ ان کی طرف انہوں نے خود اشارہ کر دیا ہے ۔ ان کا بدن خیابان جنت کشمیر کا ایک سدا بہار پھول تھا ۔

دل میں ایمان اور حریم حجاز کا عشق و احترام تھا اور فارسی شاعری کا سلیقہ انہیں سعدی و حافظ کے شہر شیراز سے ملا تھا ۔ فرماتے ہیں ۔

تنم گلی زخیابان جنت کشمیر ۔ دل از حریم حجاز و نوا زشیراز است ۔

علامہ نے ایک اور جگہ اپنا مقام و مرتبہ بتاتے ہوئے فرمایا ہے ۔

مرا بنگر کہ در ہندوستان دیگر نمی بینی ۔
برہمن زادۂ رمز آشنای روم و تبریز است ۔

ترجمہ : مجھے دیکھو کیونکہ مجھ سا کوئی دوسرا تم ہندوستان میں نہیں دیکھو گے کہ ایک برہمن زادہ روم و تبریز کے اسرار و رموز سے واقف ہے ۔

علامہ جب دیکھتے کہ ان کے عہد میں برصغیر کیا سارے عالم اسلام میں ان سے بڑا مفکر و فلسفی نظر نہیں آتا تو وہ اپنے برہمن زاد ہونے پر فخر کرتے ہوئے فرماتے ۔

میں اصل کا خاص سومناتی — آبا مرے لاتی و مناتی

تو سید ہاشمی کی اولاد — میری کف خاک برہمن زاد

ہے فلسفہ میری آب و گل میں — پوشیدہ ہے ریشہ ہائے دل میں (۳۵)

کشمیر کے نام :

علامہ نے اپنے آباد و اجداد کے وطن کے باغوں اور علاقوں کے دریاؤں لولاب اور ولر کے بارے میں اپنے کلام میں ذکر کیا ہے ۔ اس طرح رجال کشمیر مثلاً سید علی ہمدانی ، ملا طاہر غنی وغیرہ سے بھی بڑی عقیدت کا اظہار کیا ہے ۔ علامہ نے کشمیر کے لیے مختلف ناموں کا استعمال بھی کیا ۔

کبھی وہ اسے ایران صغیر کہتے ہیں(۳۶) کبھی خطہ گل(۳۷) لکھتے ہیں۔ کبھی خطے(۳۸) کا نام دیتے ہیں۔ کبھی کشیر، کشمیر، کا شمیر(۳۹) استعمال کرتے ہیں۔

کشمیر سے علامہ کی دلچسپی :

علامہ اپنے بزرگوں کے وطن کشمیر کو اپنا بھی ذہنی اور روحانی وطن سمجھتے تھے۔ لگتا ہے کہ آپ طالب علمی کے زمانہ سے ہی برصغیر پاک و ہند اور کشمیر کی سیاسیات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ ان کا وطن اول ـــ کشمیر ڈوگروں کے ہاتھوں محکوم و مجبور و فقیر تھا اور وطن دوم ـــ پنجاب بلکہ سارا ہندوستان، انگریزوں کی غلامی میں ایک جوئے کم آب بن کر رہ گیا تھا۔

کشمیر کا غم :

جو حضرات علامہ کی زندگی اور اس کے نشیب و فراز پر نظر رکھتے ہیں وہ ہماری رائے سے اتفاق کریں گے کہ ہوش سنبھالنے سے لے کر دم واپسیں تک جو دکھ جو درد اور جو غم علامہ کو خار پیرہن بن کر بیقرار رکھتا رہا وہ یہی کشمیر کی پامالی اور کشمیریوں کی غلامی و بے بسی کا غم تھا۔ آپ نے سب سے پہلے کشمیریوں کے دکھ کو محسوس کیا۔ بقول سید عبدالواحد۔

علامہ طالب علمی کے زمانہ سے ہی اہل کشمیر کے معاملات میں دلچسپی رکھتے تھے(۴۰)۔ عمر کے ساتھ ساتھ ان کی سوچ میں اور پختگی اور ان کی کوشش میں اور مواظبت آتی چلی گئی۔

علامہ ۱۸۷۷ء میں پیدا ہوئے اور آپ نے ۱۸۹۹ میں گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم ۔ اے پاس کیا ۔ اس وقت آپ کی عمر تقریباً تئیس سال تھی ۔

جو کشمیری خاندان ترک وطن کر کے پنجاب کا رخ کرتے وہ زیادہ تر سیالکوٹ ، لاہور ، گوجرانوالہ ، امرتسر میں سکونت اختیار کر لیتے تھے ۔

کبھی وہ اسے ایران صغیر کہتے ہیں(۳۶) کبھی خطہ گل(۳۷) لکھتے ہیں۔
کبھی خطے(۳۸) کا نام دیتے ہیں ۔ کبھی کشیر ، کشمیر ، کا شمیر(۳۹)
استعمال کرتے ہیں ۔

کشمیر سے علامہ کی دلچسپی :

علامہ اپنے بزرگوں کے وطن کشمیر کو اپنا بھی ذہنی اور روحانی
وطن سمجھتے تھے ۔ لگتا ہے کہ آپ طالب علمی کے زمانہ سے ہی برصغیر
پاک و ہند اور کشمیر کی سیاسیات پر گہری نظر رکھتے تھے ۔ ان کا
وطن اول --- کشمیر ڈوگروں کے ہاتھوں محکوم و مجبور و فقیر تھا اور
وطن دوم --- پنجاب بلکہ سارا ہندوستان ، انگریزوں کی غلامی میں ایک
جوئے کم آب بن کر رہ گیا تھا ۔

کشمیر کا غم :

جو حضرات علامہ کی زندگی اور اس کے نشیب و فراز پر نظر رکھتے
ہیں وہ ہماری رائے سے اتفاق کریں گے کہ ہوش سنبھالنے سے لے کر دم
واپسیں تک جو دکھ جو درد اور جو غم علامہ کو خار پیرہن بن کر
بیقرار رکھتا رہا وہ یہی کشمیر کی پامالی اور کشمیریوں کی غلامی و
بے بسی کا غم تھا ۔ آپ نے سب سے پہلے کشمیریوں کے دکھ کو محسوس
کیا ۔ بقول سید عبدالواحد ۔

علامہ طالب علمی کے زمانہ سے ہی اہل کشمیر کے معاملات میں
دلچسپی رکھتے تھے(۴۰) ۔ عمر کے ساتھ ساتھ ان کی سوچ میں اور پختگی اور
ان کی کوشش میں اور مواظبت آتی چلی گئی ۔

علامہ ۱۸۷۷ء میں پیدا ہوئے اور آپ نے ۱۸۹۹ میں گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم۔ اے پاس کیا۔ اس وقت آپ کی عمر تقریباً تئیس سال تھی۔

جو کشمیری خاندان ترک وطن کر کے پنجاب کا رخ کرتے وہ زیادہ تر سیالکوٹ، لاہور، گوجرانوالہ، امرتسر میں سکونت اختیار کر لیتے تھے۔

باب چہارم

برادری کی اصلاح ، پہلا قطعہ ، چند اور قطعات ، اہل کشمیر کی رہنمائی ، ولائت سے واپسی ، اقبال اور محمد الدین فوق ، کشمیری مجلس ، اقبال اور کشمیر کا لٹریچر ، تاریخ کشمیر اور اقبال ،

برادری کی اصلاح

ہندوستان میں جب برادریوں کو منظم کرنے اور سماجی اصلاح کے لئے ان کو فعال بنانے کی تحریکیں انیسویں صدی کے آخر میں شروع ہوئیں تو لاہور میں مقیم کشمیری مسلمانوں نے بھی اپنی برادری کو منظم اور بیدار کرنے کی کوشش شروع کر دی ۔ چنانچہ فروری ۱۸۹۶ء میں لاہور کی کشمیری برادری نے انجمن کشمیری مسلمانان قائم کی ۔ علامہ ان دنوں بی ۔ اے کے طالب علم کی حیثیت سے لاہور میں رہتے تھے ۔ انجمن کے پہلے ہی اجلاس میں آپ نے ایک قطعہ سنایا جس کے ۲۷ اشعار ہیں ۔ ہم یہاں فقط تین اشعار نقل کرتے ہیں ۔

پہلا قطعہ :

کیا تھا گردش ایام نے مجھے محزوں
بدن میں جان تھی کہ جیسے قفس میں صید زبوں
ہزار شکر کہ اک انجمن ہوئی قائم
یقیں ہے راہ پہ آئے گا طالع واژوں

جو تیری قوم کا دشمن ہو اس زمانے میں

اسے بھی باندھ لے اقبال صورت مضموں (۳۱)

بعد میں بھی آپ اس انجمن میں نظمیں سنایا کرتے تھے۔ جب ۱۸۹۷ء میں یہ انجمن غیر فعال ہو گئی تو اس کا احساس سبھی نے کیا۔ لیکن اخبار ''کشمیری گزٹ،، کی ترغیب و تحریص سے انجمن دسمبر ۱۹۰۱ء میں دوبارہ قائم ہو گئی۔

علامہ ایم۔ اے کرنے کے بعد اب پروفیسر ہو گئے تھے۔ لیکن نئی انجمن میں بھی آپ ہی شمع انجمن بنے۔ پہلے اجلاس میں آپ نے چند قطعات اور رباعیاں سنائیں جو بعد میں کشمیری گزٹ کے شمارہ دسمبر ۱۹۰۱ء میں شائع ہوئیں۔

پنجۂ ظلم و جہالت نے برا حال کیا
بن کے مقراض ہمیں بے پر و بے بال کیا
توڑ اس دست جفا کیش کو یا رب جس نے
روح آزادیٔ کشمیر کو پامال کیا

ظلم سہتے ہیں وطن اپنا نہ جن سے چھٹ سکا
شکوۂ حکام پھر اے دل نہیں تیرا بجا
کیا عجب کشمیر میں رہ کر جو ہے ان پر جفا
''پائے گل اندر چمن دائم پراست از خارہا،،(۳۲)

علامہ وطن سے جدائی پر فرماتے ہیں۔

موتی عدن سے لعل ہوا ہے یمن سے دور
یا نافۂ غزال ہوا ہے ختن سے دور

ہندوستاں میں آئے ہیں کشمیر چھوڑ کر
بلبل نے آشیانہ بنایا چمن سے دور (۴۳)

چند اور قطعات :

انجمن کشمیری مسلمانان لاہور ہی کے کسی اجلاس میں علامہ نے مندرجہ ذیل قطعات بھی پڑھ کر سنائے تھے -

سامنے ایسے گلستاں کے کبھی گو نکلے
جیب خجلت سے سر طور نہ باہر نکلے
ہے جو ہر لحظہ تجلی گہ مولائے جلیل
عرش و کشمیر کے اعداد برابر نکلے

کشمیر کا چمن جو مجھے دلپزیر ہے
اس باغ جاں فزا کا یہ بلبل اسیر ہے
ورثہ میں ہم کو آئی ہے آدم کی جائیداد
جو ہے وطن ہمارا وہ جنت نظیر ہے

بت پرستی کو میرے پیش نظر لاتی ہے
یاد ایام گذشتہ مجھے شرماتی ہے!
ہے جو پیشانی پہ اسلام کا ٹیکہ اقبال
کوئی پنڈت مجھے کہتا ہے تو شرم آتی ہے

سو تدابیر کی اے قوم! یہ ہے اک تدبیر
چشم اغیار سے بڑھتی ہے اسی سے توقیر

در مطلب ہے اخوت کے صدف میں پنہاں
مل کے دنیا میں رہو مثل حروف کشمیر

کہکشاں میں آ کے اختر مل گئے
اک لڑی میں آ کے گوھر مل گئے
واہ ، واہ ، کیا محفل احباب ہے
ہم‌وطن غربت میں آ کر مل گئے (۴۴)

علامہ نے انجمن کشمیری مسلمانان لاہور میں یہ قطعات پڑھ کر سنائے تھے ۔ اس انجمن کا مقصد صرف یہ تھا کہ لاہور یا زیادہ سے زیادہ پنجاب کے کشمیری مسلمانوں کو متحد کر کے ان کی سماجی و ثقافتی زندگی کا تحفظ کیا جائے اور انہیں تعلیم دلا کر ترقی کی راہ پر گامزن کر دیا جائے ۔ لیکن کشمیر کے اس ہونہار طالب علم کا دماغ سب سے اونچا سوچتا تھا ۔ اسے لاہور شہر میں رہ کر بھی کشمیر کی غلامی کا احساس چین سے نہ بیٹھنے دیتا ۔ اسے آزادی کشمیر کی روح کو پامال کرنے والے ہر آدمی سے نفرت تھی ۔ وہ اغیار کا جور و جفا برداشت کرنے والے اہل وطن کے لئے کبھی ہجرت کا جواز ڈھونڈتا اور کبھی حسرت سے کہتا

ع ــــ بلبل نے آشیانہ بنایا چمن سے دور

اہل کشمیر کی رہنمائی :

معلوم ہوتا ہے کہ علامہ نے طالب علمی کے دور میں ہی اپنے لئے راہ متعین کر لی تھی ۔ یعنی کشمیر کو آزادی دلا کر کشمیریوں کو اقوام عالم میں قابل احترام مقام دلانا ۔ اس میں شک نہیں کہ علامہ پوری مسلمان قوم کے شاعر تھے ۔ وہ شاعر ہونے کے حوالے سے ''دیدۂ بینائے قوم'' تھے ۔

انہوں نے ملت اسلامیہ کے زوال پر مرثئے بھی کہے اور نشاۃ ثانیہ کے لئے مسلمانوں کو امید اور سعی و عمل کا پیغام بھی دیا ۔ ہماری تحقیق یہ ہے کہ علامہ کو بیس سال کی عمر سے بھی پہلے کشمیر سے دلچسپی پیدا ہوئی اور یہ دلچسپی مرتے دم تک باقی رہی ۔ انہوں نے ۱۸۹۶ء سے ۱۹۳۸ء تک پورے تینتالیس سال ملت کشمیر کے غم میں آنسو بہائے ۔ وہ تقریباً نصف صدی تک اپنی شاعری اور سیاسی بصیرت سے اہل کشمیر کی رہنمائی کرتے رہے ۔

عمر کے ساتھ ساتھ کشمیر سے علامہ کی دلچسپی میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا ۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ انیسویں صدی کے آخری سالوں میں وہ اگر کشمیر پر چند قطعات و رباعیات کہتے نظر آتے ہیں ۔ تو ۱۹۳۰ء کے بعد ایک طرف وہ جاوید نامہ میں سید علی ہمدانی اور ملا طاہر غنی کی زبان سے اہل خطہ کو پیغام بیداری و حریت دیتے ہیں تو دوسری طرف ارمغان حجاز میں ایک فرضی ملازادہ ضیغم لولابی کشمیری کی زبان سے سترہ نظمیں کہلوا کر اس قوم کو آزاد ہونے کا درس دیتے ہیں ۔ ارمغان حجاز میں کشمیر پر جتنا کلام ملتا ہے علامہ کا اتنا کلام آپ کو کسی ملک یا قوم کے بارے میں نہیں ملے گا ۔

علامہ ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک انگلستان اور جرمنی میں رہے ۔ اس عرصہ میں وہ علمی تحقیق میں اس قدر منہمک رہے کہ کشمیر کے بارے میں کوئی خاص چیز نہ کہہ سکے ۔ البتہ بانگ درا میں شامل ایک نظم خطاب بہ جوانان مسلم میں انہوں نے ملا طاہر غنی کا ایک شعر شامل کیا ہے ۔

غنی روز سیاہ پیر کنعاں را تماشا کن
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخارا (۳۵)

ترجمہ : اے غنی پیر کنعان (حضرت یعقوب) کی بد قسمتی کو تو دیکھ ۔ کہ اس کا نور نظر چشم زلیخا کو روشن کر رہا ہے ۔

ولائت سے واپسی :

علامہ ۱۹۰۸ء میں ولائت سے لوٹے ۔ اس دور میں اکثر لوگ ولائت سے لوٹ کر اپنے وطن اور ہم وطنوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے ۔ مگر علامہ متحدہ ہندوستان اور کشمیر کو کبھی نہ بھولے ۔ وہ اب پہلے سے کہیں زیادہ کشمیریوں کے امور سے دلچسپی لینے لگے تھے ۔ اب کے وہ آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرنس کے جنرل سکیریٹری اور فوق جوائنٹ سکیریٹری منتخب ہوئے ۔ اس دوران آپ ان کشمیریوں کے ترجمان اور حقوق کے محافظ بنے جو گذشتہ چند صدیوں کے دوران وقتاً فوقتاً پنجاب کے کئی شہروں میں کشمیر سے آ کر آباد ہو گئے تھے ۔ آپ نے اسی انجمن کے ذریعے کوشش کی کہ کشمیریوں کو فوج میں لیا جائے اور ان کو زراعت پیشہ قرار دیا جائے ۔

اقبال اور محمد الدین فوق :

اقبال شناس اس حقیقت سے واقف ہوں گے کہ اقبال کو روشناس اور متعارف کرانے والے بزرگ محمد الدین فوق تھے ۔ شیخ عبدالقادر سے بھی پہلے فوق کی چشم بصیرت نے دیکھ لیا تھا کہ طالب علم اقبال بہت جلد علامہ اقبال بن کر مفکر اسلام کہلائے گا ۔ فوق مرحوم سیالکوٹ کے ایک گاؤں کے رہنے والے کشمیری مہاجر تھے ۔ ۱۸۹۶ء میں آپ ''پیسہ اخبار،، میں ملازم ہوئے انہوں نے ۱۹۰۱ء میں ''پنجہ فولاد،، جاری کیا ۔ یہ اخبار ۱۹۰۶ء میں بند ہو گیا تو آپ نے ماہنامہ کشمیری میگزین

نکالا جو بعد میں ہفت روزہ اخبار کشمیری ہو گیا ۔ ۱۹۱۴ء میں انہوں نے ''طریقت،، جاری کیا ۔ پھر ۱۹۱۸ء میں رسالہ ''نظام،، کا اجراً عمل میں لایا گیا ۔ فوق کشمیر پر درجنوں کتابوں کے مصنف ہیں ۔ ۱۹۴۵ء میں فوت ہوئے ۔ فوق اکثر علامہ سے ملاقات کرتے اور ان کو ملی امور میں دلچسپی لینے پر راغب کرتے ۔ فوق اپنے اخباروں میں علامہ کا کلام اکثر شائع کرتے ۔ دونوں ہم وطن بھائیوں کی خط و کتابت بھی رہی ہے ۔ انہوں نے چند مضامین علامہ کی زندگی پر شائع کئے تھے ۔ علامہ فوق مرحوم کی ان خدمات کے معترف اور ان کے ممنون تھے ۔ علامہ ایک خط میں شکریہ ادا کرتے ہوئے فوق کو لکھتے ہیں ۔

جو کچھ آپ گاہے گاہے میری نسبت اپنے کالموں میں تحریر فرماتے ہیں اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں ۔(۴۹)

کشمیری مجلس :

علامہ قوم کے افراد میں اتحاد و یگانگت کی صورت پیدا کرنے اور قومی حقوق کی حفاظت و توسیع کے لئے بھی ضروری سمجھتے تھے کہ متحدہ ہندوستان کے شہروں میں کشمیری مجلس قائم کی جائے ۔ آپ فوق کے نام اپنے ۱۱ مئی ۱۹۰۹ء کے خط میں تحریر فرماتے ہیں ۔

میں تحریک کرتا ہوں کہ آپ اپنے شہر میں ضرور کشمیری مجلس قائم کریں ۔ اس کے علاوہ ہر ایسے مقام میں جہاں آپ کا اثر ہو اپنے دیگر بھائیوں کو کشمیری مجلس قائم کرنے کی ترغیب بھی دیں ۔ کیونکہ اس طریق سے نہ صرف قوم کے افراد میں اتحاد ویگانگت کی صورت پیدا ہوگی بلکہ قومی حقوق کی حفاظت اور توسیع میں بھی سہولت ہوگی ۔(۵۰)

۱۹۰۹ء سے ۱۹۱۷ء تک کے آٹھ سالہ عرصہ میں بھی علامہ بدستور کشمیر میں انقلاب لانے اور وہاں کے باشندوں کو ان کے حقوق دلانے کی تدابیر سوچتے رہے۔ علامہ کو کشمیر کی سیاست سے ہی دلچسپی نہ تھی بلکہ وہ کشمیر کی تاریخ اور لٹریچر سے برابر دلچسپی لیتے تھے۔ اگر کوئی صاحب کشمیر پر کچھ لکھتے تو آپ کھلے دل سے اس کی حوصلہ افزائی کرتے۔ محمد الدین فوق نے کشمیر پر سب سے زیادہ لکھا ہے۔ اسی وجہ سے علامہ ان کو ''مجدد کشامرہ'' کہا کرتے تھے۔ علامہ کو فوق کی ان خدمات کا اعتراف تھا اور آپ نے خطوط میں اس کا اظہار بھی کیا ہے۔ آپ فوق کے نام ایک خط میں فرماتے ہیں۔

کشمیر اور اہل کشمیر پر مختلف کتابیں لکھ کر آپ نے مسلمانوں پر اور ان کے لٹریچر پر احسان کیا ہے۔ البتہ کشامرہ کی قبر پرستی ایک ایسا مضمون ہے جس پر، جہاں تک مجھے معلوم ہے آپ نے اب تک کچھ نہیں لکھا۔ اس طرف سب سے زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔(۵۱)

یہ خط پڑھنے کے بعد یہ احساس ہوتا ہے کہ علامہ بعض کشمیریوں کی عادات، نفسیات اور اوہام سے بھی خوب واقف تھے۔ اس خط میں علامہ سیاست کی سطح سے بہت نیچے اتر کر ایک مصلح کے روپ میں نظر آتے ہیں۔ کشامرہ سے ان کی مراد یقیناً وادی کشمیر میں رہنے والے کشمیری تھے اور وہ ان کی بہت ساری رسوم میں اصلاح کرنا چاہتے تھے۔

علامہ تصوف حقیقی کے زبردست قائل اور اولیا کے معتقد تھے۔ اس میں شک نہیں کہ انہوں نے نام نہاد صوفیوں اور ان کے خانقاہی نظام کی اپنے فارسی و اردو کلام میں مذمت کی ہے اور گلہ کیا ہے کہ یہ است خرافات میں کھو گئی۔ ۱۹۱۷ء میں علامہ تک اہل کشمیر کی یہ

کمزوری پہنچ گئی تھی کہ یہ لوگ قبور اولیاء سے کچھ زیادہ ہی عقیدت رکھتے ہیں ۔ علامہ اہل کشمیر کی سیاسی بیداری ان کی جرأت رندانہ ان کی بیباکی کی راہ میں اس رسم کو حائل سمجھتے تھے ۔ اصلاح کا یہ پہلو آپ کی نظر میں ہمیشہ رہا ۔ یہاں تک کہ وہ جب ۱۹۲۱ء میں کشمیر گئے تو اسی کمزوری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ۔

کشیری کہ با بندگی خو گرفتہ بتی می تراشد ز سنگ مزاری

ترجمہ : کشمیری ، جس نے بندگی کی عادت ڈال لی ہے ۔ سنگ مزار سے بت تراش لیتا ہے ۔

اس خط کے بین السطور سے یہ مفہوم بھی متبادر ہوتا ہے کہ علامہ علمی احیاء اور ادبی نشاۃ ثانیہ سے کشمیریوں کے فکری ، روحانی ، اور ذہنی انقلاب کو مقدم جانتے تھے ۔ اس لئے کہ کوئی قوم فکری انقلاب کے بغیر اپنی زندگی میں انقلاب پیدا نہیں کر سکتی ۔ آپ نے اس موضوع کو سب سے زیادہ توجہ کا مستحق قرار دیا تھا ۔

اقبال اور کشمیر کا لٹریچر :

اسلامی عہد میں کشمیری شاعروں ، ادیبوں اور دانشوروں نے عربی اور فارسی زبانوں کو بہت وسعت دی تھی ۔ اگر کشمیر کے فارسی کے شعراء کی فہرست پر ایک نظر ڈالی جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ اس سر زمین نے پورے برصغیر پاک و ہند کے فارسی گویوں سے زیادہ شاعر پیدا کئے ۔(۵۲) علامہ نے شعرائے کشمیر کا تذکرہ مرتب کرنے کی تحریک کی تھی ۔ لیکن خود آن کے بقول کسی نے ادھر توجہ نہ کی ۔

جب علامہ کو یہ علم ہوا کہ فوق ایسا تذکرہ لکھنے والے ہیں تو آپ نے انہیں حوصلہ افزائی کا خط تحریر کیا ۔ اسی خط میں آپ یہ تجویز بھی پیش کرتے ہیں کہ وادی کشمیر کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کو لٹریچر کی تلاش و حفاظت کے لئے ایک سوسائٹی بنانی چاہئے ۔

۱۲ مارچ ۱۹۲۲ء کو پیرزادہ غلام احمد مہجور کے نام اپنے اس مکتوب میں علامہ فرماتے ہیں ۔ میں کئی سالوں سے اس کے لکھنے کی تحریک کر رہا ہوں مگر افسوس کسی نے ادھر توجہ نہ کی ۔ افسوس ہے کہ کشمیر کا لٹریچر تباہ ہوگیا ۔ اس تباہی کا باعث زیادہ تر سکھوں کی حکومت اور موجودہ حکومت کی لاپروائی اور نیز مسلمانان کشمیر کی غفلت ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ وادی کشمیر کے تعلیم یافتہ مسلمان اب بھی موجودہ لٹریچر کی تلاش و حفاظت کے لئے ایک سوسائٹی بنائیں ۔(۵۳)

افسوس کہ وادی کشمیر کے مسلمان علامہ کی اس خواہش کو پورا نہ کر سکے ۔ اور مہجور سے بھی ایسا تذکرہ مرتب نہ ہو سکا ۔ البتہ ۱۹۲۲ء سے آج تک کشمیر کے فارسی گو شاعروں کا حال جن کتابوں میں آچکا ہے ان کی تفصیل یہ ہے ۔

۱ ۔ نگارستان کشمیر ۔ ظہور الحسن سیوہاروی ۔ ۱۹۳۳ء

۲ ۔ کشمیر ۔ ڈاکٹر غلام محی‌الدین صوفی ۔ ۱۹۳۴ء

۳ ۔ بہارستان گلشن کشمیر۔ کشمیری الاصل شعرآ کا تذکرہ ۔ جسے پنڈت برج کشن بیخبر اور پنڈت جگموہن ناتھ رینہ نے مرتب کیا ۔ ۱۹۳۲ء

۴ ۔ تذکرہ شعرای پارسی سرایان کشمیر ۔ خواجہ عبدلحمید عرفانی۔

۵ - پارسی سرایان کشمیر - ڈاکٹر گردھاری لال تیکو
۱۳۴۲ ھ ش - طہران

۶ - پاکستان میں فارسی ادب - ڈاکٹر ظہور الدین احمد ۱۹۶۶ء

۷ - کشمیر کے فارسی شعرا عہد بعہد - ڈاکٹر محمد ظفر خان(۵۴)

محولہ بالا خط میں علامہ نے مہجور کو مشورہ دیا تھا کہ تذکرہ شعرائے کشمیر لکھتے وقت مولانا شبلی کی شعرالعجم آپ کے پیش نظر رہنی چاہئے - ہماری خوش قسمتی ہے کہ دانشمند گرامی جناب پیر حسام الدین راشدی نے شعرائے کشمیر کا تذکرہ پانچ مجلدات میں منجملہ تذکرۂ شعرائے کشمیر مؤلفہ محمد اصلح متخلص بمیرزا مرتب کیا ہے - جنہیں اقبال اکیڈمی نے شائع کر دیا ہے - اگرچہ راشدی علامہ کی خواہش کے مطابق یہ تذکرہ شبلی کی شعرالعجم کی طرز پر نہیں لکھ سکے لیکن انہوں نے حروف تہجی کے تحت ہر شاعر کے بارے میں مختلف تذکرہ نویسوں کی آرا کو یکجا کر کے مستقبل کے نقاد کے لئے راستہ ہموار کر دیا ہے -

علامہ اسلامیان کشمیر کے علمی ، ادبی اور لسانی ورثہ کی قدر و قیمت خوب جانتے تھے - خاص طور سے آپ کشمیر میں فارسی کی شعری روائت کو زندہ کرنے اور اسے تسلسل دینے کے لئے فارسی شعرآ کا تذکرہ ضروری سمجھتے تھے - آپ کا عقیدہ تھا کہ کشمیر کی قسمت عنقریب پلٹا کھانے والی ہے - چنانچہ اسی خط میں فرماتے ہیں - ”مجھے یقین ہے کہ ایسی تصنیف نہایت بارآور ثابت ہوگی اور اگر کبھی خود کشمیر میں یونیورسٹی بن گئی تو فارسی زبان کے نصاب میں اس کا کورس ہونا یقینی ہے - میرا عقیدہ ہے کہ کشمیر کی قسمت عنقریب پلٹا کھانے والی ہے،، -

تاریخ کشمیر اور اقبال :

علامہ بنیادی طور پر ایک مفکراور شاعر تھے ۔ وہ مؤرخ و محقق نہ تھے ۔ البتہ ان کو اپنے آبائی وطن کشمیر کی تاریخ سے دلچسپی ضرور تھی ۔ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں ۔ خواجہ محمد اعظم دیدہ مری کی تاریخ واقعات کشمیر کا آپ نے مطالعہ کیا تھا اور اپنے مورث اعلی بابا لولی حاجیؒ کا حال اسی کتاب سے معلوم کیا تھا ۔

پنڈت کلہن کی تاریخ کشمیر -- راج ترنگنی(۵۴) گو آپ کے زیر مطالعہ نہ آ سکی ۔ لیکن وہ اس کے مندرجات سے کسی حد تک واقف تھے ۔ فوق کو لکھتے ہیں افسوس ہے کہ مجھے تاریخ کشمیر سے بہت کم آگاہی ہے ۔ ممکن ہے پنڈت شیو نرائن رینہ(۵۵) آپ کی مدد کر سکیں ۔ راج ترنگنی ان کے پاس ہے ، اگر نہ ہوئی تو پنجاب پبلک لائبریری سے ضرور مل جائے گی ۔(۵٦)

اسرار خودی (اشاعت اول) کے دیباچہ میں آپ نے فیلسوف کشمیر ملا محمد محسن فانی کی شہرہ آفاق تصنیف دبستان مذاہب کا ذکر بھی کیا ہے ۔ آپ فرماتے ہیں ۔

علمائے اسلام میں سب سے پہلے غالباً ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ نے اور حکماء میں واحد محمود نے اسلامی تخیل کے اس ہمہ گیر میلان (وحدۃ الوجود) کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی ۔ مگر افسوس ہے کہ واحد محمود کی تصانیف آج ناپید ہیں ۔ ملا محسن فانی کشمیری نے اپنی کتاب دبستان مذاہب میں اس حکیم کا تھوڑا سا تذکرہ لکھا ہے ۔ جس سے اس کے خیالات کا پورا اندازہ نہیں ہو سکتا ۔(۵۷)

باب پنجم

اقبال کشمیر میں ، مقدمہ کی پیروی ، ڈل کی سیر ، واپسی ، نشاط باغ ۔

اقبال کشمیر میں :

علامہ ایسی سر زمین سے ملی اور جسمانی تعلق رکھتے تھے جسے بجا طور پر فردوس بر روئے زمیں ، جنت ارضی اور منیو نظیر کہا گیا ہے ۔ علامہ کو وہاں نہیں تھے لیکن وہاں کے نکالے ہوئے تو تھے ۔ اپنی دھرتی کس کو پیاری نہیں ہوتی اور اپنے وطن کی زیارت کا شوق کس کو نہیں ہوتا ۔

علامہ بچپن سے ہی کشمیر کو دیکھنے اور اہل کشمیر سے ملاقات کرنے کے آرزو مند تھے ۔ یہ آرزو ۱۹۱۷ء میں پوری شدت اختیار کر گئی تھی ۔ فوق نے رہنمائے کشمیر کے نام سے ایک رسالہ جب طبع کروایا اور اس کا ایک نسخہ علامہ کی خدمت میں تقدیم کیا تو اپنی اس دیرینہ خواہش کا اظہار ان الفاظ میں کیا ۔

افسوس ہے میں نے آج تک کشمیر کی سیر نہیں کی ۔ لیکن امسال ممکن ہے کہ آپ کا رسالہ مجھے بھی ادھر کھینچے(۵۸) ۔ کشمیر کی سیاحت کا ارادہ علامہ نے مولانا عبدالقادر گرامی جالندھری کے نام اس خط میں بھی کیا ہے جو فوق کے نام لکھے گئے خط سے بیس روز بعد تحریر کیا گیا ۔ آپ لکھتے ہیں ۔

کیا آپ امسال کشمیر چلیں گے ۔ اگر ارادہ ہو تو لکھئے ممکن ہے کہ میں بھی آپ کا ساتھ دوں ۔ کشمیر کی سیر کا آپ کی معیت میں لطف ہے ۔ غنی کشمیری کی روح خوش ہوگی کہ گرامی جالندھری اس کے مزار پر آئے ہیں(۵۹) ۔ آپ کشمیر جانے کے لئے رفیق سفر کی تلاش میں بھی رہے ۔ شاد کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں : کشمیر جانے کا وقت تھا مگر ، یاران طریقت ہم سفر نہ ہو سکے ۔ اکیلے سفر کرنا اقبال سے ممکن نہیں ۔ اکیلے لطف سیر وادی سینا نہیں آتا(۶۰) ۔

معلوم نہیں گرامی نے اس خط کا کیا جواب دیا ہوگا ۔ بہرحال علامہ علمی و ادبی اور سیاسی مصروفیتوں کے باعث تقریباً پانچ سال تک کشمیر نہ جا سکے ۔ یاد رہے کہ ۱۹۱۰ء میں علامہ مہاراجہ پرتاب سنگھ والی کشمیر کی خدمت میں جب کشمیر ہاؤس لاہور میں وفد لے کر پیش ہوئے تو مہاراجہ نے آپ کو کشمیر آنے کی دعوت دی تھی ۔ لیکن آپ اس دعوت پر کشمیر نہ جا سکے ۔ آخر ان کی یہ خواہش پوری ہوئی اور ۱۹۲۱ء میں جون کے مہینے میں کشمیر تشریف لے گئے ۔

مقدمہ کی پیروی :

اس سفر پر برکت کی تفصیل یہ ہے کہ آپ کشمیر کی سیاست کے لئے ویسے ہی بیتاب اور مناسب موقع کی تلاش میں تھے ۔ قدرت کی طرف سے سبب یہ ہوا کہ آپ کو ایک مقدمہ کی پیروی کے لئے سرینگر آنے کی دعوت دی گئی ۔

شیخ محمد امین سابق رکن اسمبلی کشمیر اورشیخ محمد حنیف ٹھیکدار کے والد شیخ محمد بخش اور سیٹھ کریم بخش کشمیر کے نامور رئیس تھے ۔

ان کا لاکھوں کا کاروبار تھا لیکن گردش روز گار سے ان کو ٹھیکداری میں نقصان آٹھانا پڑا اور مقروض ہو گئے ۔ پنجاب نیشنل بنک سرینگر نے ان دونوں کے خلاف عدالت سے ڈگری کرا دی اور جائیداد نیلام ہوگئی (۶۱)۔ اس پر شیخ محمد بخش کے داماد منشی سراج دین نے جو مہتمم بندوبست مثل خوان تھے (۶۲) اور بعد میں افسر مال کے عہدہ پر تعینات ہوئے ۔ علامہ کو دعوت دی کہ وہ سرینگر تشریف لا کر مقدمہ کی پیروی کریں ۔

علامہ نے اس دعوت کو قبول کر لیا ۔ تاریخ تو معلوم نہیں ہو سکی لیکن اتنا مسلم ہے کہ آپ جون ۱۹۲۱ء میں کشمیر گئے (۶۳) ۔ اوڑی کوہالہ روڈ ریاست کو پنجاب سے ملاتی تھی اکثر سیاح بھی اسی راستے کشمیر جایا کرتے تھے ۔ کچھ بسیں چلتی تھیں جن میں نندا بس سروس بہت مشہور تھی ۔ خیال ہے کہ راولپنڈی سے آگے علامہ نے اسی بس میں سفر کیا ہو گا ۔ لاہور کے ممتاز قانون دان اور کتاب ''سرگزشت الفاظ'' کے مولف مولوی احمد دین اور علامہ کے منشی ، شیخ طاہر دین بھی ہمراہ تھے ۔ علامہ نے دو ہفتے تک سرینگر میں قیام کیا ۔

مقدمہ بمبئی کے پارسی اے ۔ ڈی حکم سیشن جج کی عدالت میں تھا۔ آپ ہاؤس بوٹ میں ٹھہرے اور جھیل ڈل کا نظارہ کرتے رہے ۔ شکارے میں ایک انجمن ادب کی رو داد صاحب زادہ محمد عمر نے رسالہ ہزار داستان (لاہور) میں دی ہے ۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ علامہ ، منشی سراج الدین میر منشی ریذیڈنسی کشمیر ، مولوی احمد دین ۔ سیٹھ کریم بخش ، منشی نور الہی تحصیل دار اور کچھ اور دوست شکارے میں بیٹھ کر ڈل کی سیر کے لئے نکلے ۔ دن نشاط باغ اور شالا مار باغ میں گزارا ۔ دونوں وقت مل رہے تھے کہ شکارا (ہلکی کشتی) اس انجمن ادب کو لئے ڈل میں پہنچ گیا ۔ اس وقت آفتاب غروب ہو رہا تھا ۔ شفق پھولی ہوئی تھی اور اس منظر

کا عکس ڈل کے شفاف پانی میں شرر افشانی کر رہا تھا ۔ اس کیف آور منظر نے عجیب کیفیت پیدا کر رکھی تھی ۔ جس نے علامہ کے دل پر خاص اثر کیا ۔ تھوڑی دیر صحیفہ ٔ قدرت کے اس سنہری ورق کا مطالعہ کرنے کے بعد خلاق معانی بحر فکر میں غوطہ زن ہوئے اوردو در شاہوار نکال لائے ۔ نقاش فطرت کی قدرت دیکھنا دو شعروں میں سارے منظر کی تصویر کھینچ دی ہے ۔

جھیل ڈل کی سیر :

تماشائے ڈل کن کہ ہنگام شام
دہد شعلہ را آشیان زیر آب

بشوید ز تن تا غبار سفر (را)
زند غوطہ در آب ڈل آفتاب(٦٤)

ترجمہ : ۱۔ شام کے وقت ڈل کا تماشا تو کیجئے (کیوں کہ اس وقت) ڈل شعلہ کو پانی کی تہہ میں آشیاں دیتا ہے ۔

۲۔ بدن سے سفر کی گرد دھو ڈالنے کی غرض سے سورج جھیل ڈل میں غوطہ زن ہوتا ہے ۔

علامہ جس مقدمہ کی پیروی کے لئے بلائے گئے تھے وہ قانونی سقم کی وجہ سے خراب ہو گیا ۔ سرینگر میں قیام کے دوران آپ کو رحمان راہ کے قتل کا کیس مل گیا تھا ۔ یہ آدمی سزائے موت سے تو بچ گیا مگر اسے قید کی سزا ہو گئی ۔ علامہ کو دونوں مقدموں کے خراب ہو جانے کا افسوس تھا ۔ اس سلسلے میں منشی سراج الدین کے نام علامہ کے خط محررہ ۳ اگست ۱۹۲۱ء اور ۲۰ اگست ۱۹۲۱ء کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے(٦٥) ۔

واپسی :

آپ جولائی ۱۹۲۱ء کے پہلے عشرہ میں لاہور آ گئے تھے ۔ آپ کی واپسی بھی اوڑی ، مظفر آباد ، کوہالہ روڈ سے ہوئی ۔ سرینگر سے راولپنڈی تک کا سفر دس گیارہ گھنٹوں میں کیا جاتا تھا ۔ آپ سرینگر سے صبح روانہ ہو کر پانچ بجے شام راولپنڈی پہنچے اور چھ بجے شام کی ٹرین سے لاہور روانہ ہوگئے۔ اس سفر کے بارے میں علامہ منشی سراج الدین کے نام اپنے مکتوب محررہ ۱۱ جولائی ۱۹۲۱ء میں فرماتے ہیں ۔

آپ سے رخصت ہو کر پانچ بجے شام راولپنڈی پہنچ گئے اور چھ بجے کی ٹرین بھی مل گئی(٦٦) ۔ گمان غالب ہے کہ مولوی احمد الدین اور شیخ طاہر دین واپسی پر بھی آپ کے ہمراہ تھے ۔

یہ تو تھا علامہ کے سفر اور دو ہفتہ کے قیام کشمیر کا مختصر حال ۔ لیکن انہوں نے کشمیر میں کیا دیکھا اور کیا محسوس کیا اور کشمیری قوم کو کیا پیغام دیا ۔ ان سوالوں کا جواب تلاش کرنے کے لئے ہمیں پیام مشرق کا مطالعہ کرنا پڑے گا ۔ پیام مشرق میں کشمیر کے متعلق پہلی نظم ساقی نامہ ہے ۔ یہ نظم ۱۹۲۱ء میں دو ہفتہ کے قیام کے دوران سرینگر کے نشاط باغ میں کہی گئی ۔ بیس شعروں کی اس نظم میں مناظر فطرت کی تصویر کشی بھی ہے ۔ ساقی (خدا) سے دعا بھی ہے اور آخری بیت سے پہلے چار اشعار میں کمشیری قوم کا مرثیہ بھی ۔

ساقی نامہ کی تشریح و ترجمہ لکھنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نشاط باغ کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کر دی جائیں تا کہ اس پس منظر میں نظم کو سمجھنے میں آسانی ہو ۔

نشاط باغ :

سرینگر میں شاھمیری وچک سلاطین اور مغلوں نے سینکڑوں باغات لگوائے تھے - جن میں سے مشہور مندرجہ ذیل ہیں : نشاط باغ ، باغ فرح بخش ، باغ فیض بخش ، باغ عیش آباد ، باغ بحر آرا ، نور باغ ، باغ صفا ، بیگم آباد ، دولت آباد ، آلہی باغ ، باغ چنار ، آصف آباد ، باغ نسیم ، باغ جہان آرا ، باغ پری محل ، باغ ملا شاہ ، ظفر آباد ، باغ احسن آباد ، باغ ارادت خان ، باغ دلاور خان ، حضوری باغ وغیرہ(٦٧) -

نشاط باغ نور جہان کے بڑے بھائی اعتماد الدولہ کے فرزند مرزا ابوالحسن آصف جاہ خان (متوفی ١٠٥١ھ) نے ١٦٣٣ء میں تعمیر کروایا تھا - تعمیر باغ کی تاریخ کسی نے اس طرح نکالی ہے -

چون باغ نشاط شد شگفتہ — از یاسمن و ظیان و گلہا
خورشید جہان آصف دہر — گسترد بساط و خورد ملہا
در گوش نسیم گفت سالش — گل مزار نشاط و عیش دلہا(٦٨)

١٠٤٤ھ ١٦٣٣ء

یہ باغ شالیمار کی جنوبی طرف جھیل ڈل کے کنارے واقع ہے - اس میں عمارات ، آبشاریں ، فوارے ، تختے بنوائے گئے ہیں اور نہریں نکالی گئی ہیں - اس باغ کی اکثر شعرا نے تعریف کی ہے - منیر لاہوری (متوفی ١٠٨٣ھ) کہتا ہے -

طرب افزای دل باغ نشاط است
کہ ہر برگش بہار انبساط است

خواجہ عزیز الدین کشمیری لکھنوی (متوفی ١٩١٥ء) فرماتے ہیں -

بیا مطرب کہ وقت انبساط است

نشاط انگیز شو باغ نشاط است

علامہ نے ساقی نامہ اسی نشاط انگیز باغ میں کہا ۔ نظم کے شروع میں انہوں نے طربیہ فضا پیدا کی ہے لیکن آخری حصہ میں زمانے کی تبدیلیوں کا ذکر کیا اور کشمیری کا ماتم کیا ہے کہ اس کا ضمیر خیال بلند سے تہی ہو گیا ۔ اب وہ خود ناشناس اور اپنے آپ سے شرمسار ہے ۔ اس کی محنت سے سرمایہ دار ریشم کی قبا زیب تن کرتا ہے ۔ لیکن خود اس کے جسم کا نصیب جامۂ تار تار ہے ۔ نہ اس کے دیدہ میں فروغ نگاہ ہے اور نہ ہی اس کے سینہ میں دل بیقرار ۔

—:※:—

باب ششم

ساقی نامہ ، کارخانہ ریشم سازی میں بغاوت ، کشمیر ، اقبال اور بجور ، اقبال اور حفیظ ، غنی کشمیری ۔

ساقی نامہ :

اس چھوٹی سی نظم میں علامہ نے کشمیری قوم کو بہت بڑا پیغام دیا ہے ۔ اسی پیغام کا نتیجہ ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کے عوام میں بیداری کی لہر پیدا ہوئی ۔ ایک ریاست گیر تحریک آزادی چلی ۔

نظم کی تشریح سے پہلے اس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے ۔ تا کہ وہ حضرات بھی علامہ کا مدعا سمجھ سکیں جو فارسی سے نا آشنا ہیں ۔

۱ ۔ خوشا روزگارے خوشا نو بہارے
نجوم پرن رست از مرغزارے

کتنے اچھے دن ہیں اور کتنا عمدہ موسم نو بہار ہے کہ (پھول) ستارے (بن کر) مرغزار میں اگ آئے ہیں ۔

۲ ۔ زمین از بہاران چو بال تدروے
ز فوارہ الماس بار آبشارے

زمیں بہار کے فیض سے تدرو پرندے کی طرح خوبصورت بن گئی ہے۔ ہیرا برسانے والے فوارہ سے آبشار رواں ہے ۔

۳ - نہ پیچد نگہ جز کہ در لالہ و گل
نہ غلطد ہوا جز کہ بر سبزہ زارے

لالہ و گل کے بغیر دوسری کوئی چیز نظر نہیں آتی ۔ ہوا صرف سبزہ زار پر چلتی ہے -

۴ - لب جو خود آرای غنچہ دیدی
چہ زیبا نگارے چہ آئینہ دارے

لب جو غنچہ کی خود آرائی آپ نے دیکھی ۔ غنچہ کتنا حسین معشوق ہے اور کس قدر نازو ادا والا ہے -

۵ - چہ شیریں نوائے چہ دلکش صدائے
کہ می آید از خلوت شاخسارے

کتنی میٹھی آواز اور دلکش صدا ہے جو شاخوں سے سنائی دے رہی ہے -

۶ - بہ تن جان بہ جان آرزو زندہ گردو
ز آوائے سارے زبانگ ہزارے
سار پرندہ کی آواز اور بلبل کے نغمے سے بدن میں روح اور روح میں آرزو جی اٹھتی ہے

۷ - نواہائے مرغ بلند آشیانے
در آمیخت با نغمۂ جوئبارے

اونچے آشیان میں رہنے والے پرندے کا نغمہ جوئبار کے نغمے سے ہم آہنگ ہو گیا ہے -

۸ - تو گوئی کہ یزداں بہشت بریں را
نہاد است در دامن کوہسارے

ایسالگتا ہے کہ گویا خدا نے بہشت بریں کو دامن کوہسار میں لا کر رکھ دیا ہے ۔

۹ - کہ تا رحمتش آدمی زادگاں را
رہا سازد از محنت انتظارے

تا کہ اس کی رحمت آدم زاد کو انتظار کی زحمت سے نجات دلا دے ۔

۱۰ - چہ خواہم دریں گلستاں گر نہ خواہم
شرابے کتابے ربابے نگارے

اس گلستاں (نشاط باغ) میں اگر شراب ، کتاب ، رباب اور محبوب کی تمنا نہ کروں تو پھر کس کی تمنا کروں ۔

۱۱ - سرت گردم اے ساقی ماہ سیما
بیار از نیاگان ما یادگارے

خوش لقا ساقی ! میں تجھ پر قربان ہو جاؤں ۔ میرے اسلاف کی کوئی یاد گار دکھا دے ۔

۱۲ - بہ ساغر فرو ریز آبے کہ جاں را
فروزد چو نورے بسوزد چو نارے

پیالہ میں وہ پانی (شراب عشق) ڈال جو میری جان کو نور کی مانند چمکا دے اور آگ کی طرح جلا کر راکھ کر دے ۔

۱۳ - شقایق بررویان زخاک تیرہ ندم
بہشتے فرو چیں بمشت غبارے

میری سرد اور افسردہ مٹی سے لالہ آگا دے ۔ اور اس مشت غبار میں بہشت اتار دے ۔

۱۴ - نہ بینی کہ از کاشغر تابہ کاشان
ہماں یک نوا بالد از ہر دیارے

دیکھتے نہیں ہو کہ کاشغر سے کاشان تک ہر ملک سے ایک ہی آواز اٹھ رہی ہے ۔

۱۵ - ز چشم امم ریخت آں اشک نابے
کہ تاثیر او گل دماند ز خارے

قوموں کی آنکھ سے وہ اشک ناب بہا ہے جس کی تاثیر کانٹے سے پھول نکال دے ۔

۱۶ - کشیری کہ بابندگی خو گرفتہ
بتے می تراشد زسنگ مزارے

کشمیری جس نے بندگی کی عادت ڈال لی ہے ۔ سنگ مزار سے بت تراش رہا ہے ۔

۱۷ - ضمیرش تہی از خیال بلندے
خودی ناشناسے زخود شرمسارے

اس کا دل بلند خیال سے خالی ہے ۔ وہ خودی سے نا آشنا اور اپنے آپ سے شرمسار ہے ۔

۱۸ - بریشم قبا خواجه از محنت او
نصیب تنش جامهٔ تار تارے

کشمیری کی محنت کی بدولت سرمایہ دار (خواجہ) ریشم کی قبا پہن رہا ہے - لیکن (افسوس کہ) اس کی قسمت میں جامۂ تار تار ہے -

۱۹ - نہ در دیدۂ او فروغ نگاہے
نہ در سینۂ او دل بیقرارے

نہ تو اس کی آنکھ میں فروغ نگاہ ہے اور نہ ہی اس کے سینہ میں دل بیتاب -

۲۰ - ازاں مے فشاں قطرۂ بر کشیری
کہ خاکسترش آفریند شرارے (٦٦)

(اے ساق) کشمیری پر ایسی شراب کا قطرہ ڈال دے کہ اس کی خاکستر میں (انقلاب کا) شرارہ پیدا ہو جائے -

تبصرہ :

ساق نامہ کے ابتدائی دس اشعار میں منظر نگاری کی گئی ہے - اور یہ دکھایا گیا ہے کہ باد نو بہاری کے اثر سے درخت اور پرندے ہرے بھرے ہو گئے - پرندے چہکنے اور پھول مہکنے لگے ہیں - مکان کا یہ زندگی آموز منظر دیکھ کر شاعر کا ذہن مکین کی طرف منتقل ہوتا ہے - کیونکہ بہار ذہنی و فکری بہار کی علامت بھی تو ہے - اگر ظاہری بہار کا اثر نباتات و حیوانات پر نمایاں ہے تو اس کا اثر انسانوں پر بھی ہونا چاہئے - لیکن شاعر دیکھتا ہے کہ کشمیری کے دل میں انقلاب وارتقاً کی آگ بجھ

چکی ہے اور اس کے دماغ میں اب تلاش و جستجو اور نشو و نما کا کوئی شرارہ نہیں پھوٹتا۔

علامہ اہل کشمیر کی اس غفلت و خود فراموشی سے مایوس نہیں ہوتے وہ خدا تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اس ملت چرب دست وتر دماغ کو دوبارہ آزادی و حکمرانی نصیب ہو۔

علامہ دعا کے بعد (چودھویں شعر میں) اس سیاسی و فکری تبدیلی کا ذکر کرتے ہیں جو کاشغر سے کاشان تک ہر ملک میں نظر آتی تھی۔ آپ اسی شعر میں ملت کشمیر کو یہ نکتہ سمجھاتے ہیں کہ عروج و زوال اور بہارو خزاں زندگی کی خصوصیت ہے۔ کوئی قوم ہمیشہ کے لئے غلامی و پشی میں نہیں رہ سکتی۔ اگر کشمیری سکھوں اور ڈوگروں کے منحوس عہد میں غلام رہے تو کیا ہوا۔ دائمی غلامی اور ابدی ذلت تو ان کا مقدر نہیں۔ البتہ حصول آزادی کے لئے قوم مین چند خصوصیات کا پایا جانا ناگزیر ہے۔

علامہ نے آخری شعر سے پہلے کے چار اشعار میں انہی خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔ اس سے آپ کا مقصود یہ تھا کہ کشمیر کی حسین وادی کے رہنے والی ذہین و فطین اور حسین و جمیل قوم کو اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کرنے چاہیئیں۔ کشمیریوں کو عرفان خودی ہونا چاہئے اور کرامت و عظمت آدم کا نمونہ بننا چاہئے۔ پست خیالی کی جگہ بلند خیالی اپنانی چاہئے اور خود شناس ہونا چاہئے۔ کشمیری معاشرہ کی بنیاد عدل و انصاف اور مساوات پر رکھنی چاہئے تاکہ یہاں کے کاریگروں، صنعت کاروں مزدوروں اور ہنرمندوں کو ان کی محنت کا حق مل سکے۔ استحصالی، جاگیردارانہ اور ساہوکارانہ نظام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دینا

چاہئے ۔ کشمیریوں کو اپنے اندر بصیرت اور حالات کو سمجھنے کی استعداد پیدا کرنی چاہئے ۔ اور پھر غلامی ، پستی ، ذلت ، غربت پر قانع ہو کر بیٹھ نہیں رہنا چاہئے بلکہ ان کو اپنے سینے میں بیقرار دل اور اس بیقرار دل میں آرزو کا چراغ روشن کرنا ضروری ہے ۔ آخری شعر میں علامہ نے ایک بار پھر خدا سے دعا کی ہے کہ وہ کشمیریوں کو عشق کی وہ چنگاری عطا کر دے جو اس قوم کے خاکستر میں آگ پیدا کر دے۔

ساقی نامہ کے ذریعے علامہ نے اہل کشمیر کو بیداری و خودشناسی کا پیغام دیا اور ان کے اندر خود داری کی روح پیدا کرنے کی کوشش کی ۔ اس نظم کے متعلق علامہ فوق کے نام اپنے خط میں فرماتے ہیں ۔

اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ کشمیر کے لوگوں میں خود داری کی روح پیدا کی جائے ۔ میں نے بھی ایک نظم اس مضمون پر لکھی ہے جو عنقریب فارسی مجموعے میں شائع ہو گی(۶۷) ۔

تقریباً ایک سال بعد یعنی ۱۹۲۳ء میں یہ نظم (ساقی نامہ) ان کے فارسی مجموعے "پیام مشرق" میں میں شائع ہوئی(۶۸) ۔

ساقی نامہ میں کشمیریوں کے متعلق کوئی ایسی بات نہیں کہی گئی جس سے ان کی توہین کا پہلو نکلتا ہو ۔ علامہ نے سفر کشمیر کے موقع پر کشمیریوں کے اعمال و افعال کا بچشم خود مشاہدہ کیا تھا ۔ اس قوم کو جن اوصاف کے پیدا کرنے کی ضرورت تھی علامہ نے اس کی تلقین کی ہے ۔ سنگ مزار سے بت تراشنے کی بات بھی خلاف واقعہ نہیں ۔ لیکن مریض اقوام کی شروع سے ہی یہ نفسیات رہی ہے کہ وہ علاج پر توجہ دینے کی بجائے طبیعت جو کچھ کہے اسے ہذیان سمجھتی رہی ہیں ۔

کشمیر کے اندر اور کشمیر سے باہر ساقی نامہ کی بعض شکایات مثلاً باہندگی خوگرفتہ وغیرہ پر اس زمانے میں بڑی لے دے ہوئی۔ یہ گلہ بے جا علامہ تک بھی پہنچا ۔ علامہ میر خورشید احمد کے نام اپنے مکتوب میں وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ساقی نامہ و کشمیر کے متعلق بعض لوگوں کا گلہ سن کر مجھے تعجب ہوا ۔ افسوس ہے ہندوستان سے فارسی رخصت ہو گئی۔۔۔میں نے تو دکھڑا رویا ہے اور یہ بات سیاق اشعار سے صاف ظاہر ہے ۔ دکھڑے کی بنا بھی واقعات پر ہے جن کا میں نے کشمیر میں خود مشاہدہ کیا ہے۔

مکتوب زیر نظر سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے ساقی نامہ سے کشمیریوں کی ہجو و توہین کے پہلو نکالنے کی سعی ناشکور کی تھی ۔ اُن میں پنجاب کے کشمیری بھی شامل تھے ۔ علامہ کو اس غلط فہمی کا ازالہ بھی کرنا پڑا ۔ آپ اسی مکتوب میں لکھتے ہیں ۔

پنجاب کے کشامرہ کی حالت کشمیر کے کشامرہ سے بدرجہا بہتر ہے ۔ نظم کا موضوع کشامرہ کشمیر ہیں نہ کشامرہ پنجاب جو لوگ میرے اشعار کو کشمیریوں کی ہجو تصور کرتے ہیں وہ شعر کے مذاق اور مقاصد سے بالکل بے بہرہ ہیں ۔ ان کے لئے یہی جواب کافی ہے کہ میرے اباؤ اجداد اہل خطہ میں سے ہیں(۱۷) ۔

ساقی نامہ کے ذریعے علامہ نے کشمیریوں میں احساس خودی اور جذبہ انفرادیت پیدا کیا ۔ رئیس احمد جعفری کے بقول کشمیر کی غلامی، کشمیریوں کی مظلومی اور تباہ حالی ، حکمران طبقہ کی دراز دستی اور سفا کی ۔۔۔ کوہستان کشمیر میں مسلم اکثریت کی پامالی اور ہندو

اقلیت کی فرماں روائی یہ وہ حوادث تھے جنھوں نے اقبال کے دل کا خون کر دیا تھا(۷۲) ۔ علامہ نے اسی جذبہ و احساس کے تحت ساقی نامہ کہا تھا ۔

ساقی نامہ علامہ نے ۱۹۲۱ء کے جون کے آواخر اور جولائی کے اوائل میں سرینگر کے نشاط باغ میں کہا ۔ یہ شہ کار پیام مشرق میں شامل کیا گیا جو ۱۹۲۳ء میں پہلی بار شائع ہوئی ۔ علامہ کے اردو فارسی کے کے درجنوں اشعار پیش گوئی ثابت ہوئے ہیں ۔ ان اشعار میں ساقی نامہ کا یہ شعر بھی شامل کیا گیا ہے ۔

بریشم قبا خواجہ از محنت او

نصیب تنش جامۂ تار تارے

کارخانۂ ریشم سازی میں بغاوت :

چنانچہ پیام مشرق کے طبع ہونے کے ایک ہی سال بعد ۱۹۲۴ء میں کشمیر میں ریشم سازی کے کارخانے میں بغاوت ہوئی اور یہ نیم جان ممولے شاہباز سے لڑ گئے ۔

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ سرینگر شہر سے تقریباً دو میل کے فاصلہ پر ریشم سازی کا کارخانہ تھا ۔ جس میں تقریباً پانچ ہزار مزدور روزانہ کام کیا کرتے تھے ۔ ہندو افسر مسلمان مزدوروں کو ناحق ستاتے رہتے ۔ چنانچہ مسلمانوں نے ان کے خلاف حکومت کو شکایات پہنچائیں ۔ حکومت نے تحقیقاتی کمیشن بٹھایا اور پھر اس کمیشن کی سفارشات کو خفیہ رکھا ۔ اور پہلے ہندو افسر کی جگہ ایک اور ہندو کو کارخانہ کا ڈپٹی ڈائرکٹر مقرر کر دیا ۔ اس پر مزدوروں نے ہڑتال کر دی ۔

۲۱ جولائی ۱۹۲۴ء کو پولیس نے اکیس مزدور لیڈروں کو حراست میں لے لیا۔ دوسرے روز ایک ہزار مزدوروں پر رسالہ فوج نے حملہ کر دیا (۷۳)۔

اس تشدد نے کشمیریوں کی آنکھیں کھول دیں اور یہی واقعہ مسلمانوں کی بیداری کا سبب بھی بنا۔ کشمیری مظلوموں کی آواز پنجاب تک پہنچی اور لاہور و امرتسر میں آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرنس نے عام جلسے کئے۔

کشمیر میں علامہ کا ساقی نامہ غلاموں کا لہو گرما رہا تھا اور کشمیر سے باہر لاہور میں خود علامہ اپنی ملت مظلوم کے ترجمان بن کر ان کی حوصلہ افزائی و رہنمائی فرما رہے تھے۔ علامہ خود بھی اپنے کلام کی تاثیر پر متعجب تھے۔

ایک روز علامہ نے ممتاز حسن مرحوم سے فرمایا میں نے کشمیر کے متعلق جو نظم ساقی نامہ نشاط باغ میں بیٹھ کر لکھی تھی۔ اس میں ریشم ساز کارخانوں اور کاری گروں کا ذکر بھی شامل تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ بعد میں کشمیر کی سیاسی تحریک وجود میں آئی تو اس کی ابتدا ایک ریشم کے کارخانے میں کاری گروں کی بغاوت سے ہوئی(۷۴)۔

نظم "کشمیر":

پیام مشرق میں کشمیر پر علامہ کی ایک اہم نظم کشمیر ہی کے عنوان سے ملتی ہے(۷۵)۔ اس کے کل چھ شعر ہیں۔ پانچ اشعار میں شاعر نے کشمیر کے کوہ و دمن، سبزہ و لالہ، باد بہار و مرغ بہار، قمری و سار، نسرین و نسترن، خاک و آب اور قافلہ بہار کا ذکر کیا ہے۔

آخری شعر میں برہمن زادی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ہندو مسلم کا اقتصادی و تہذیبی فرق اور سماجی و معاشی تفادت بتا کر مسلمانان کشمیر کو انقلاب وارتقاً کا درس دیا ہے۔

۱۹۲۱ء میں سفر کشمیر کے دوران علامہ نے وہاں کے مسلمانوں کی غربت، مظلومی، جہالت، بے حسی، غفلت و خود فراموشی کو خود دیکھا تھا۔
اب اصل نظم اور اس کا اردو ترجمہ پیش ہے۔

۱ ۔ رخت بہ کاشمر کشا کوہ و تل و دمن نگر
سبزہ جہاں جہاں ببین لالہ چمن چمن نگر

کشمیر کی سیر کیجئے پہاڑ اور تل و دمن کو دیکھئے۔ ادھر آدھر سبزہ اور چمن در چمن لالہ کا نظارہ کیجئے۔

۲ ۔ باد بہار موج موج مرغ بہار فوج فوج
صلصل و سار زوج زوج برسر ناروں نگر

باد بہاری کے جھونکے چل رہے ہیں۔ بہار کے پرندے فوج فوج اڑتے پھرتے ہیں۔ فاختہ و سار جوڑے جوڑے بن کر ناروں کے درخت پر بیٹھے ہیں۔

۳ ۔ تانہ فشد بہ زینتش چشم سپہر فتنہ باز
بستہ بچہرۂ زمیں برقع نسترن نگر

چہرہ زمین پر نسترن کی بیل نے اس لئے نقاب ڈال رکھی ہے تاکہ اس کے حسن فطرت پر آسمان فتنہ انگیز کی نظر نہ پڑ جائے۔

۴ ۔ لالہ ز خاک بردمید موج بہ آبجو تپید
خاک شرر شرر ببیں آب شکن شکن نگر

لالہ مٹی سے پھوٹ پڑا ہے - پانی نہر میں موج زن ہے - مٹی کو شرر شرر اور پانی کو شکن شکن ملاحظہ کیجئے -

۵ - زخمہ بتار ساز زن بادہ بہ ساتگین بریز
قافلۂ بہار را انجمن انجمن نگر

ساز کے تاروں پر مضراب لگائیے اور شراب ساغر میں انڈھیلئے - دیکھئے کہ بہار کا قافلہ ہر انجمن میں موجود ہے -

۶ - دختر کے برہمنے ، لالہ رخ ، سمن برے
چشم بروے اوکشا ، باز بخویشتن نگر

یہ برھمن زادی --- جس کا چہرہ لا لہ کی طرح اور جس کا بدن سمن کی مانند لطیف و حسین ہے - ایک نظر اس پر ڈال اور پھر اپنے تیئں بھی دیکھ -

اقبال اور مہجور :

کشمیر اور برصغیر کے دیگر علاقوں کے وہ شاعر جو علامہ کی شاعری اور ان کے پیغام سے متاثر تھے - زیر ترتیب کتاب میں ان کا احاطہ کرنا مشکل ہے -

یہاں پر صرف دو عظیم شاعروں کا مختصر ذکر کیا جا رہا ہے - جو علامہ کی تعلیمات سے بیحد متاثر ہوئے اور انہوں نے کشمیریوں کی آزادی کے لیے قابل قدر خدمات انجام دیں - یہ دو عظیم شاعر ہیں شاعر کشمیر غلام احمد مہجور اور شاعر اسلام حفیظ جالندھری جو علامہ کے حلقۂ سخن کے تربیت یافتہ تھے -

مہجور علامہ کے معتقد تھے - اور ان سے باقاعدہ خط و کتابت تھی - کشمیری زبان اور شاعری کے مرتب کے بقول : اقبال کے خطوط کے کئی مجموعوں میں حضرت مہجور کے نام خط ملتے ہیں(۷۶) - علامہ مہجور کو وادی میں علم و ادب اور شعر و سخن کی ترقی کے لیے مفید مشورے بھی دیا کرتے تھے - آپ نے مہجور کو مجوزہ "بزم ادیبان کشمیر،، کی ترتیب کے بارے میں لاہور آنے کا مشورہ دیا تھا مگر مہجور کو فرصت نہ ملی اور وہ علامہ کی ہدایات سے مستفید نہ ہو سکے(۷۷) -

۱۹۲۱ء میں علامہ نے کشمیر کا سفر کیا - اسی سفر کے دوران انہوں نے ڈوگرہ مظالم اور مسلمانوں کی بے بسی و مظلومی کا مشاہدہ کیا - مئی ۱۹۲۳ میں "پیام مشرق،، شائع ہوئی - یقینی بات ہے کہ یہ کتاب کشمیر پہنچی ہوگی اور گمان غالب ہے کہ اس کا مطالعہ مہجور نے کیا ہوگا - پیام مشرق میں کشمیر پر ایک مشہور غزل ملتی ہے جس کا مطلع ہے -

رخت بہ کاشمر کشا کوہ و تل ودمن نگر
سبزہ جہاں جہاں ببین لالہ چمن چمن نگر(۷۸)

مہجور کی باقاعدہ کشمیری شاعری کے آغاز کے بارے میں عبدالاحد آزاد کا کہنا ہے کہ مہجور کے دل میں ۱۹۲۳ء میں کشمیری زبان میں شعر کہنے کا جذبہ پیدا ہوا(۷۹) -

باغ نشاط کے گلو - مہجور کی مشہور ترین کشمیری نظم ہے جو آپ نے علامہ کی مذکورہ بالا فارسی غزل کی بحر میں کہی(۸۰) -

۱۵ ستمبر ۱۹۳۴ء کو سرینگر کشمیر کی نمائش کمیٹی کی طرف

سے عظیم الشان مشاعرہ ہوا ۔ ہندوستان کے ممتاز شعرا موجود تھے ۔ مہجور کو بھی شمولیت کی دعوت دی گئی تھی ۔ مشاعرہ فارسی اردو اور پنجابی میں تھا ۔ آپ نے اصرار کر کے کمیٹی سے اجازت لے لی کہ وہ کشمیری کلام پیش کر سکتے ہیں ۔ مشاعرہ کا اہتمام چوہدری خوشی محمد ناظر نے کروایا تھا ۔ مہجور نے سات بند کی نظم باغ نشاط کے گلو ناز کران کران ولو ۔ ایک خوش گلو محمود شہری سے پڑھوائی ۔ یہ نظم عوام و خواص میں بے حد مقبول ہوئی ۔

مہجور علامہ کے فن اور شاعری کے ساتھ ساتھ ان کے سیاسی افکار اورانقلابی نظریات سے بھی بیحد متاثر تھے ۔ اور انہی کے نقش قدم پر چل کر کشمیری قوم کو بیدار کرنا چاہتے تھے ۔

علامہ کا پہلا اردو مجموعہ --- بانگ درا ۱۹۲۴ء میں شائع ہوا ۔ اس میں علامہ کی ایک نظم بعنوان ''خطاب بہ نوجوانان مسلم،، شامل ہے ۔ اس نظم کی تقلید میں مہجور نے''خطاب بہ مسلم کشمیر،، کہی ۔ یہ نظم اخبار ''کشمیر،، میں شائع ہو کر مقبول ہوئی(۸۱) مہجور کی مذکورہ نظم کے تین شعر پیش کئے جاتے ہیں ۔

بتا اے مسلم کشمیر ! کبھی سوچا بھی ہے تو نے
تو ہے کس گلشن رنگیں کا برگ شاخ عریانی

شکستہ حالی بغداد پر تھا نوحہ خوان سعدی
ہے اندلس کے لئے اقبال محو مرثیہ خوانی

مگر صد حیف اجڑا گلشن اسلام کشمیر میں
کوئی کرتا نہیں جز آب شبنم اشک افشانی

پیر زادہ غلام احمد مہجور کاشمیری نے علامہ کی تاریخ وفات بھی کہی ہے ۔ جس میں انہوں نے علامہ کو آسمان شاعری کا آفتاب قرار دیا ہے ۔ مادہ تاریخ وفات یہ ہے ۔

آہ اقبال ! آفتاب آسمان شاعری (۸۲) ۔

علامہ نے کشمیر پر رزمیہ شاعری کے جو نمونے اردو و فارسی میں پیش کر دیئے ہیں وہ ہمیشہ بعد کے کشمیری شعرأ کے لیے میزان و معیار بنے رہے ۔ مثال کے طور پر فیلسوف کشمیر خلیفہ عبدالحکیم کی نظم کے مندرجہ ذیل بند علامہ کے جذبہ و احساس کی تصویر ہیں ۔

صدیوں سے یہاں حالت انسان رہی خستہ — ہر بال شکستہ
آزادی و توقیر کا مسدود ہے رستہ — ہر باب ہے بستہ
حیواں یہاں مہنگا ہے تو انسان ہے سستہ — یہ نوع خجستہ
ہے خون رلاتی مجھے آدم کی یہ تحقیر
اے وادی کشمیر

ہاتھ اس کے ہنر خیز ، فضا اس کی گہر بیز — ذہن اس کا بہت تیز
یہ لعل گراں مایہ ، یہ مزدور عرق ریز — مٹی میں ہے آمیز
افسوس کہ ہو نکبت و افلاس سے لبریز — یہ خطۂ زر خیز
اور آئے نہ آنکھوں کو نظر صورت تغییر
اے وادی کشمیر (۸۳)

اقبال اور حفیظ :

مہجور کے بعد حفیظ جالندھری ایک ایسا شاعر ہے جسے ۱۹۲۱ء میں علامہ کی درگاہ سے حب کشمیر کی دولت ملی اور آزادی کشمیر کا جذبہ نصیب ہوا ۔ حفیظ لکھتے ہیں ۔ ۱۹۲۱ء میں ایک ادبی رسالہ 'اعجاز'

نامی جالندھر سے نکالا - اور اس کے لئے مولانا گرامی کی چٹھی لے کر حضرت علامہ ڈاکٹر اقبال سے ان کے فرمورات لینے کو خود لاہور پہنچا - وہ ان دنوں انار کلی بازار میں ایک بالائی منزل پر متمکن تھے - یہاں سے میرا تعلق کشمیر کے ساتھ آغاز کرتا ہے(۸۴) - اس کے بعد حفیظ نے خواجہ سعد الدین شال اور سید نور شاہ نقشبندی کی ملاقات کا حال لکھا ہے - یہ تفصیل ہم کسی جگہ اسی کتاب میں درج کر چکے ہیں -

حفیظ ۱۱ جون ۱۹۲۲ء کو پہلی بار جموں پہنچے - اس کے بعد انہوں نے جموں و کشمیر کے درجنوں سفر کئے - ان سیاحتوں کا ان کے ذہن پر کیا اثر ہوا. خود انہی سے سن لیجئے -

ان سیاحتوں میں ہر مقام پر ہر گوشے میں جموں و کشمیر کے مسلمانوں کا جو حشر ہوتے دیکھا اس نے میری شاعری میں درد و غم پیدا کیا - کشمیر کا حسن اور جن کے لئے یہ کشمیر اللہ سے عطا ہوا تھا ان کی غلامانہ صورت حال کا درد ہی میری شاعری کا ورثہ ہے(۸۵) -

حفیظ نے پہلی نظم بعنوان ”جموں کے مسلمان،، سنائی - اس نظم کے ایک شعر میں حفیظ نے اس عزم کا اظہار کیا ہے کہ وہ علامہ کا پیغام حریت لے کر آگے بڑھیں گے - اور کشمیری غلاموں کا لہو سوز یقیں سے گرمائیں گے - حفیظ فرماتے ہیں :

ممکن ہے یہ کشمیر نئے رنگ و ضیا دے
اقبال کا پر تو مجھے کچھ اور بنا دے

کشمیر نے حفیظ کو شاعری کا جو رنگ دیا اور ان کے قلب و ذہن کو جو ضیا بخشی اسے اقبال کا پر تو کہنا چاہئے - حفیظ نے کشمیر اور

کشمیری پر اپنا سارا انقلاب انگیز و سیماب آموز کلام "بزم نہیں رزم" میں جمع کر دیا ہے ۔ بلا شبہ حفیظ کی قومی و انقلابی شاعری نے گذشتہ پچپن سال(۸٦) کے دوران آزادی کشمیر کی تحریک کو زندہ رکھا اور اہل کشمیر کو نیا جوش و جذبہ عطا کیا ۔

غنی کشمیری :

اقبال اور رجال کشمیر کے زیر عنوان اقبال و غنی کے ذہنی و فکری ہم آہنگی پر ہم روشنی ڈالیں گے ۔ یہاں اتنا ہی عرض کر دینا کافی ہوگا کہ اقبال کو غنی سے زبردست عقیدت تھی ۔ وہ غنی کی شاعری اور ان کے بے داغ کردار سے بے حد متاثر تھے ۔ محولہ بالا عنوان سے آپ نے سات اشعار میں کشمیر کے اس مایہ ناز فرزند کو خراج عقیدت پیش کیا ہے ۔ غنی کے استغنا و بے نیازی کی تعریف کی ہے ۔

۱ ۔ غنی آں سخن گوئے بلبل صغیر
نوا سنج کشمیر مینو نظیر

غنی جو بلبل کی مانند چہکنے والا شاعر اور کشمیر کا نوا سنج تھا ۔

۲ ۔ چو اندر سرا بود در بستہ داشت
چو رفت از سرا تختہ را واگذاشت

اس کا معمول یہ تھا کہ جب وہ گھر میں ہوتا تو دروازہ بند رکھتا ۔ لیکن جب باہر نکلتا تو کواڑ کو کھلا چھوڑ دیتا ۔

۳ ۔ یکے گفتش اے شاعر دل رسے
عجب دارد از کار تو ہر کسے

کسی نے پوچھا کہ اے پختہ کار شاعر! تیری اس روش پر سبھی تعجب کرتے ہیں۔

۴ - بپاسخ چہ خوش گفت مرد فقیر
فقیر و با قلیم معنی امیر

اس درویش نے جواب میں کیا خوب کہا تھا۔ تو وہ درویش لیکن اقیلم معنی کا بادشاہ تھا۔

۵ - زمن آنچہ دیدند یاراں رواست
دریں خانہ جز من متاعے کجا ست

لوگوں نے مجھے ٹھیک ہی تو دیکھا ہے۔ آخر میرے سوا اس گھر میں رکھا ہی کیا ہے۔

۶ - غنی تا نشیند بہ کاشانہ اش
متاعے گرانے ست در خانہ اش

غنی جب تک گھر میں رہتا ہے ایک متاع گراں بہا ہوتا ہے۔

۷ - چو آں محفل افروز در خانہ نیست
تہی تر ازین ہیچ کاشانہ نیست

جب یہ رونق محفل گھر میں نہیں ہوتا تو اس وقت اس گھر سے بڑھ کر خالی کوئی گھر نہیں ہوتا۔

باب ہفتم

زعمائے کشمیر کی ملاقات ، تحریک آزادیٔ کشمیر ، ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء آل انڈیا کشمیر کمیٹی ، والئی بھوپال سے علامہ کی گفتگو ، جاوید نامہ ۔

اب علامہ کو ۱۸۹۶ء سے ۱۹۲۱ء تک ، اپنے آبائی وطن کی تعریف و توصیف کرتے تقریباً چھبیس سال گذر چکے ہیں ۔ وہ اس ربع صدی کے دوران برصغیر پاک و ہند کے ساتھ ساتھ ریاست جموں وکشمیر کی تبدیلیوں کا مطالعہ بھی کرتے رہے ہیں ۔ تقاریر و بیانات کے ذریعے وہ اکثر کشمیر سے متعلق اپنے نظریات کی وضاحت کرتے رہے ہیں ۔

علامہ سے زعمائے کشمیر کی ملاقات :

کشمیری بھی اپنے اس عظیم رہنما شاعر کی آواز پر لبیک کہتے رہے ۔ مشاہیر کشمیر کی علامہ سے خط و کتابت بھی تھی اور بعض اوقات کشمیر کی مقتدر شخصیتیں علامہ کے حضور حاضر ہو کر اپنی مشکلات بیان کرتیں اور علامہ جو پیغام دیتے اسے لے کر وہ کشمیر پہنچ جاتے ۔ علامہ سیاسیات کشمیر میں کتنی گہری دلچسپی لیتے تھے اور اپنی اس غلام قوم کی مجبوری و بے چارگی پر کس طرح آبدیدہ ہو جاتے ۔ اس کا اندازہ آپ کو حضرت حفیظ کی اس روائت سے ہو سکے گا ۔ ۱۹۲۱ء کا واقعہ ہے --- حفیظ علامہ کے حضور انار کلی والے مکان میں حاضر ہیں ۔

میں علامہ کے حضور بیٹھا تھا ۔ علی بخش ان کا ملازم ایک

چٹ لایا - جس پر دو نام لکھے ہوئے تھے - خواجہ سعد الدین شال اور سید نور شاہ نقشبندی از سرینگر کشمیر ، علامہ نے ان کو بلایا بٹھایا میں ایک طرف بیٹھا ہوا سنتا رہا گفتگو ریاست جموں و کشمیر کے بارے میں تھی - اس گفتگو کا لب لباب جو میرے قلب پر پیوست ہوا یہ تھا کہ پنجاب اور ہندوستان پر انگریزوں کا تسلط ہٹانے کے لئے ہندو مسلم بھائی بھائی تو بن رہے ہیں - مگر ساری دنیا کی ایک واحد سر زمین جس کو ارضی بہشت قرار دیا جا چکا ہے - اس میں بسنے والے ترانوے فی صد مسلمان جن کی تعداد بتیس لاکھ ہے ، ۱۸۴۶ء سے ہندؤں ، ڈوگروں ، سکھوں ، برھمنوں ، بودھوں کے پنجے میں جانوروں کی طرح انگریزوں کے زیر شمشیر انتہائی ذلت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں - جب بھی انسانیت کی زندگی اختیار کرنا چاہتے ہیں ان پر ظلم و ستم کی تازہ بہ تازہ بارش کر دی جاتی ہے -

علامہ نے ان کو اتحاد اور جہاد کا مشورہ دیا - وہ چلے گئے - میں نے دیکھا - علامہ کی آنکھوں میں آنسو جھلک رہے تھے(۸۶) -

---

علامہ کے اسی جذبہ حریت سے متاثر ہو کر حفیظ نے کشمیر اور اہل کشمیر کو موضوع شاعری بنایا اور وہ جب سے اب تک آزادی کشمیر کے ترانے لکھ کر علامہ کی روح کو مسرور کر رہے ہیں -

حفیظ کے علاوہ کشمیر کے دو ممتاز شاعر جو کشمیری نثراد ہیں اور جن کی شاعری کشمیر کی دل آویز فضاؤں میں نقطۂ عروج تک پہنچی امین حزین اور اثر صہبائی تھے - ان دونوں شاعروں کا وطن ثانی بھی سیالکوٹ ہی تھا - ہم وطن ہونے کے ناطے سے علامہ کی خدمت میں اکثر حاضر رہے اور ان کے فکر و نظر سے متاثر بھی رہے جس کی جھلک ان کے کلام میں صاف نظر آتی ہے --- کشمیر کے مسلمانوں کی پسماندگی پر بڑی درد

ناک اور کشمیر کے مناظر پر ان کی بڑی خوبصورت نظمیں ان کے مجموعہ ہائے کلام میں موجود ہیں۔

علامہ کی شاعری اور ان کی سیاسی بصیرت سے سر زمین کشمیر کے شعرأ اور زعمأ نہ صرف یہ کہ متاثر تھے بلکہ وہ ان کے مقلد و متبع بھی تھے۔

ریاست جموں و کشمیر کے اردو و کشمیری کے ان شعرآ کا سراغ لگانا جو علامہ سے متاثر تھے - ہمارے وسائل سے باہر کی بات ہے کیونکہ خط متارکہ جنگ نے ہمارے تعلقات پر خط تنسیخ کھینچ دیا ہے - لیکن اتنی بات مسلم ہے کہ جموں و کشمیر کے تقریباً سبھی بڑے سیاسی رہنما اپنی تقاریر کو ہمیشہ علامہ کے حریت پرور اشعار سے مزین کرتے رہے ہیں - اسی طرح ریاست کے اردو و کشمیری شعرأ بھی اسی دریا سے اپنے فکر کی کھیتیوں کو سیراب کرتے چلے آئے ہیں - پیرزادہ غلام احمد مہجور ہماری صدی کا سب سے عظیم کشمیری شاعر مانا گیا ہے - مہجور علامہ سے نہائت متاثر تھا اور اس کے کلام میں فکر و پیغام اقبال کی جھلکیاں ملتی ہیں۔

۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۰ء تک کے چھ سالوں میں علامہ کی زیادہ تر توجہ برصغیر پاک و ہند کے سیاسی مسائل پر رہی - پھر بھی ۱۹۳۰ء میں کل ہند کشمیر مسلم کانفرنس کا اجلاس لاہور میں منعقد ہوا تو اس میں کشمیریوں کے حقوق کی پائمالی کے خلاف آواز اٹھائی گئی -

تحریک آزادیٔ کشمیر :

جموں و کشمیر کے مسلمان جو صدیوں سے ظلم و تشدد کی چکی میں پس رہے تھے اور ۱۸۴۶ء سے ڈوگرہ راج کی بے انصافیوں اور سختیوں سے

دو چار تھے مذہب میں کھلی مداخلت جو ۱۹۳۱ء میں بندش خطبہ اور توہین قرآن کی صورت میں رونما ہوئی برداشت نہ کر سکے اور سروں کو ہتھیلیوں پر رکھ کر حکومت کے مقابلہ میں اتر آئے ۔ ان افسوس ناک واقعات نے ہندوستان کے مسلمانوں کو بھی بے چین کر دیا ۔ چنانچہ آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرنس کی مجلس عاملہ نے ۷ ، ۸ جون کو عملی کاروائی کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی ۔ اس کمیٹی میں علامہ اقبال اور نواب آف ڈھاکہ کو ملا کر کل اٹھارہ آدمی شامل تھے۔ جس نے اسلامیان جموں و کشمیر کی مقدور بھر امداد کی ۔ پھر اس سال ایک ایسا واقعہ ہو گیا جس سے سارا عالم اسلام مضطرب ہو گیا اور جس نے اسلامیان جموں و کشمیر کو آتش بجاں کر دیا ۔

۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء : (۸۷)

۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کا دن کشمیر کی تاریخ آزادی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے ۔ یہ وہ دن تھا جب سرینگر کی سر زمین مسلمانوں کے خون سے لالہ زار بنی ۔ یہی وہ دن تھا جب مسٹر عبدالقدیر جسے حکومت کشمیر نے پچھلے دنوں احتجاجی جلسہ میں تقریر کرنے کے سلسلے میں گرفتار کیا تھا ۔ کا مقدمہ سرینگر جیل (ہری پربت) میں پیش ہوا ۔ کاروائی سننے کے لئے ہزاروں کی تعداد میں مسلمان جمع ہو گئے اور جیل کے اندر جانے کی کوشش کرنے لگے ۔ پولیس نے ان کو روکنے کی بجائے (بغیر کسی انتباہ کے) گولی چلا دی ۔ جس میں اکیس مسلمان شہید اور سینکڑوں زخمی ہوئے ۔ چراغ حسن حسرت اپنی مشہور کتاب ''کشمیر'' میں لکھتے ہیں :-

"یہ ہجوم جیل سے نعرے لگاتا ہوا لوٹا تو اس کے شہر پہنچتے پہنچتے دوکانیں بند ہو چکی تھیں - ایک پنجابی ہندو کی دوکان کھلی تھی - لوگوں نے کہا تم بھی دوکان بند کر دو - اس پر وہ بہت بگڑا اور لڑنے پر آمادہ ہو گیا - نتیجہ یہ ہوا کہ اس تحریک نے جس کا رخ حکومت کی طرف تھا فرقہ وارانہ فساد کی صورت اختیار کر لی - اب پکڑ دھکڑ شروع ہوئی اور کوئی ساڑھے تین سو مسلمان گرفتار کر لئے گئے - جن میں چوہدری غلام عباس اور ان کے دو ساتھی بھی تھے - دوسرے دن جامع مسجد کو بھی گھیر لیا گیا اور شیخ محمد عبداللہ بھی پکڑے گئے - اس پکڑ دھکڑ کا کوئی فائدہ نہ ہوا اور لوگوں کا جوش گھٹنے کی بجائے بڑھتا چلا گیا - کئی دن مسلسل ہڑتال رہی ، عورتوں اور بچوں کے جلوس نکلے - کہیں کہیں ہنگامے بھی ہوئے اور ایک آدھ جگہ پھر گولی چلی - شہر تو خیر شہر تھا جلسوں اور جلوسوں کا سلسلہ دیہات تک پہنچا - لوگوں کے دلوں پر گرفتاری اور قید کا جو رعب بیٹھا ہوا تھا وہ مٹ چکا تھا - اور گرفتاری کیا چیز ہے لوگ سینوں پر گولیاں بھی کھا چکے تھے -

مہاراجہ نے جب دیکھا کہ معاملہ بگڑتا چلا جا رہا ہے تو راجہ ہری کشن کول کو جو بڑا جہاندیدہ شخص تھا اور ریاستی معاملات کا بڑا تجربہ رکھتا تھا بلوا کے ریاست اس کے حوالے کر دی -"

راجہ ہری کشن کول نے جی بھر کر مسلمانوں پر ظلم و ستم کیا اس کا خیال تھا کہ اس طرح تحریک دب جائے گی - لیکن نتیجہ اس کے برعکس نکلا -

آل انڈیا کشمیر کمیٹی :

کشمیر کے واقعات نے ہندوستان کے مسلمانوں کے دلوں کو زخمی

کر دیا تھا ۔ وہ اپنے کشمیری بھائیوں کی امداد کے لئے بیتاب تھے ۔ چنانچہ ''جولائی ۳۱ کے آخری ہفتہ میں شملہ میں نواب سر ذوالفقار علی کی کوٹھی (Fair View) میں ان عمائدین کا ایک اجلاس منعقد ہوا ۔ اس میں امام جماعت احمدیہ ، ڈاکٹر سر محمد اقبال ، نواب سر ذوالفقار علی خان ، خواجہ حسن نظامی ، نواب کنج پورہ ، سید محسن شاہ ، خان بہادر شیخ رحیم بخش ، مولانا اسماعیل غزنوی ، مولانا عبدالرحیم درد ، مولانا نور الحق (مالک روز نامہ مسلم آؤٹ لک) ، سید حبیب شاہ ، (مالک روز نامہ سیاست) ، اور نمائندگان ریاست و سرحد شامل ہوئے ۔ مولوی عبدالرحیم ایم ۔ اے ۔ ایل ایل ۔ بی نے صوبہ کشمیر کی اور جناب اللہ رکھا ساغر نے صوبہ جموں کی اور صاحبزادہ سر عبدلقیوم کے بھائی صاحبزادہ عبداللطیف نے صوبہ سرحد کی نمائندگی کی ۔ ریاست کے تازہ حالات بیان کرنے کے بعد بڑی تفصیل کے ساتھ تمام امور پر بحث کی گئی اور فیصلہ ہوا کہ ایک ''آل انڈیا کشمیر کمیٹی،، بنائی جائے جو اس سارے کام کو اپنے ذمے لے کر پایہ' تکمیل تک پہنچائے اور یہ مہم جاری رہے جب تک ریاست کے باشندوں کو ان کے جائز حقوق نہ مل جائیں،، (۸۸) ۔

کشمیر کمیٹی کے صدر مرزا بشیر الدین محمود مقرر ہوئے اور سکریٹری مولانا عبدالرحیم درد ۔ ۹ اگست ۱۹۳۱ء کو برکت علی ہال میں تمام مسلم جماعتوں کا ایک نمائندہ اجتماع ہوا جس کی صدارت علامہ نے فرمائی ۔ اس احتجاج میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ ڈوگرہ مظالم کے خلاف اور کشمیریوں، کے ساتھ اظہار ہمدردی کے نشان کے طور پر ۱۵،۱۴ اگست کو سارے پنجاب میں جلسے کئے جائیں(۸۹) ۔ چنانچہ ۱۴ اگست ۱۹۳۱ء کو مذکورہ بالا اجتماع کے فیصلے کے مطابق لاہور میں ایک بے مثال جلسہ علامہ کی صدارت میں ہوا اور اس میں کم و بیش ایک لاکھ مسلمانوں

نے شرکت کی ۔ یہ جلسہ مجلس احرار ، آل انڈیا مسلم کانفرنس ، آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرنس اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے اشتراک سے ہوا تھا ۔ جلسہ میں ڈوگرہ مظالم کو بے نقاب کیا گیا اور فیصلہ ہوا کہ ریاست کی متشدد دانہ پالیسی کے خلاف پروگرام مرتب کیا جائے ۔ علامہ نے اس اجتماع میں تقریر فرمائی ۔
علامہ نے تقریر میں فرمایا !

پہلے پنجاب اور ہندوستان کے مسلمان کشمیر کے حالات سے بہت کم دلچسپی لیتے تھے بلکہ وہ لوگ جو کشمیر سے یہاں آئے وہ بھی اس کی تاریخ سے پوری طرح واقفیت نہیں رکھتے تھے اب جو مظالم کشمیر میں برپا کئے گئے ہیں ۔ انہوں نے اہل پنجاب کو بیدار کر دیا ہے ۔ ان کے متعلق کشمیر دربار اور ہندو اخبارات نے بعض غلط فہمیاں پھیلا رکھی ہیں اور رعایا کی طرف سے جائز مطالبات پیش کرنے کو بغاوت یا ہندو مسلم فسادات کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ یہ ہندو مسلم فساد نہیں ہے ۔ میرے پاس کئی پنڈت حکومت کی شکایت لے کر آئے ہیں۔ میں نے انہیں بھی مشورہ دیا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ متحد ہوکر حکومت کے سامنے مطالبات پیش کریں ۔ اب ریاست نے ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا ہے لیکن مسلمان اس کی ہیئت ترکیبی سے مطمئن نہیں ہیں ۔ انہوں نے اس پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے اس کا بائیکاٹ کر دیا ہے ۔ کمیشن میں جو اسناد پیش کی جا رہی ہیں وہ فضول اور حکمران کے ایما پر پیش کی جا رہی ہیں ۔ اور کوشش کی جاری ہے کہ مسلمانوں کے مظاہرے کو سازش ثابت کریں ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی تحریک آزادی کا اثر اہل کشمیر پر ہونا لازمی تھا ۔ چنانچہ وہ بھی اپنے پڑوسیوں کی حالت سے متاثر ہو کر بیدار ہو گئے ۔ زمانہ خود لوگوں کو

بیدار کر رہا ہے - اور کشمیر میں عرصہ سے جو مظالم برپا ہیں ان کی موجودگی میں ضروری تھا کہ وہاں کی رعایا بھی اپنے جائز حقوق کا مطالبہ کرتی - - - - -

حکومت دو طریقوں سے قائم رہ سکتی ہے - ایک تو یہ کہ ملک کو بزور شمشیر فتح کر کے اس پر تسلط قائم کیا جائے اور دوسرے عوام کی رضا جوئی سے حکومت حاصل کی جائے - یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی ملک کو روپے سے خرید کر اس پر حکمرانی کی جائے(۹۰) -

کشمیری مسلمانوں پر تشدد کو روکنے اور اصلاح احوال کے لئے علامہ کے علاوہ شفیع داؤدی ، مولانا شوکت علی ، آغا خان اپنے طور پر کوشش کرتے رہے - ادھر علامہ اور شفیع داؤدی نے وزیر ہند سے ملاقات کر کے ان کو صورت حال سے آگاہ کیا جس سے کشمیری مسلمان دو چار تھے - انہی دنوں جموں میں سول نافرمانی کی ابتدا ہوئی - ریاست میں انقلاب کا داخلہ بند تھا - مسٹر اے آر ساغر کی رہنمائی میں انقلاب کا پرچم ہاتھوں میں لے کر جلوس نکالا - تمام رضاکار گرفتار کر لئے گئے - اس کے بعد میر پور میں سردار گوہر رحمان کی قیادت میں عدم ادائے مالیہ کی مہم جاری ہوئی - اس مہم کے دوران جلاؤ ، گھراؤ اور ہنگامے ہوئے - بے شمار مسلمانوں پر قتل و غارتگری کے مقدمات قائم کئے گئے - کشمیر کمیٹی کی پیروی کا کام جاری تھا کہ ریاست اور بیرون ریاست کے مسلمانوں نے محسوس کیا کہ مرزا بشیر الدین محمود کشمیر میں اپنے عقیدے کی تبلیغی سرگرمیاں بھی جاری کئے ہوئے ہیں جس سے مسلمان ہوشیار ہو گئے اور مرزا بشیر الدین کو صدارت کے منصب سے سبکدوش کر کے علامہ اقبال کو کشمیر کمیٹی کا صدر بنا دیا - جنہوں نے اپنی رہنمائی میں مقدمات میں کسی حد تک مدد کی -

والیٔ بھوپال کی علامہ سے گفتگو :

والیٔ بھوپال کے علامہ سے دوستانہ مراسم تھے اور دونوں ایک دوسرے کی بے حد عزت و احترام کرتے تھے کشمیر کے مہاراجہ ہری سنگھ کو دونوں بزرگوں کے تعلقات کا علم تھا ۔ مہاراجہ یہ بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ کشمیر اور کشمیر سے باہر ساری تحریک آزادی علامہ کے جذبہ و فکر سے زندہ ہے ۔ چنانچہ اس نے والی بھوپال کی وساطت سے کوشش کی کہ سمجھوتہ ہو جائے اس مقصد کے لئے نواب صاحب نے علامہ کو بھوپال مدعو کیا اور ایک مرتبہ آپ کو دہلی بھی دعوت دی گئی ۔ علامہ ۲۱ جولائی ۱۹۳۱ء کے بعد بھوپال اور دہلی تشریف لے گئے ۔ لیکن ان ملاقاتوں کا نتیجہ کچھ نہ نکلا ۔

مہاراجہ نے تناسب آبادی کو نظر انداز کر کے مسلمانوں سے صلاح مشورہ کئے بغیر کچھ مسلم نمائندے کشمیر اسمبلی میں لے ائے تاکہ تحریک آزادی کو دبا دیا جائے تو یہ علامہ ہی تھے جنہوں نے سب سے پہلے اس دھوکہ کے خلاف آواز حق بلند کی ۔

آل انڈیا مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کا اجلاس ۲۲ مارچ ۱۹۳۲ء کو لاہور میں زیر صدارت علامہ اقبال منعقد ہوا ۔ اجلاس میں یہ قرار داد پیش اور منظور ہوئی کہ مسلمانوں کے نمائندے ان کے مشورے سے نہیں لئے گئے اور تناسب آبادی کے اعتبار سے نمائندگی نہیں دی گئی ۔ علامہ نے احتجاج کیا کہ مسلمانان کشمیر اسے ہرگز قبول نہیں کریں گے (۹۳) ۔

علامہ اقبال برصغیر پاک و ہند کے باشعور لوگوں کو کشمیریوں کے مسائل اور ان کی مشکلات سے آگاہ ہی نہیں کرتے تھے ۔ بلکہ وہ

تحریک آزادی کشمیر میں ایک فعال فرد کی حیثیت سے عملی طور پر بھی حصہ لیتے اور اپنے ہم وطنوں کی اخلاق و قانونی مدد فرماتے تھے ۔

جاوید نامہ :

۱۹۳۱ء کے انقلابی سال کے دوران ہی علامہ نے اپنی شہرۂ آفاق مثنوی جاوید نامہ نظم کی جو فروری ۱۹۳۲ء میں پہلی مرتبہ طبع ہوئی ۔ جاوید نامہ میں علامہ نے ایک سو دس اشعار کشمیر پر کہے ہیں ۔ اور ان میں اسلامیان کشمیر کو غلامی سے نجات حاصل کرنے نیز سیاسی و اقتصادی مسائل کے حل کے لئے اصول بتائے ہیں ۔

باب ہشتم

جاوید نامہ (سفر آسمانی)

سفر آسمانی :

جاوید نامہ دراصل ایک فکری و ذہنی معراج ہے ۔ علامہ اپنے مرشد حضرت مولانا روم کی رہنمائی میں آسمانی سفر شروع کرتے ہیں ۔ فلک قمر ، فلک عطارد ، فلک زہرہ ، فلک مریخ ، فلک مشتری ، فلک زحل سے ہوتے ہوئے اور راہ میں مسلم و غیر مسلم مشاہیر سے ملاقات کرتے ہوئے جب آنسوے افلاک کی دنیا میں قدم رکھتے ہیں تو وہاں آپ کی زیارت امیر کبیر حضرت سید علی ہمدانی اور ملا محمد طاہر غنی کشمیری سے ہوتی ہے ۔

علامہ نے حضرت شاہ ہمدان و غنی کے ساتھ گفتگو کرکے کشمیری قوم کی بقا اور ہمہ جہت ارتقاء کے اصول بیان کر دیئے ہیں ۔ اس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ آپ جہاں خاک لاہور میں بیٹھ کر کشمیریوں کی عملی رہنمائی فرماتے رہے وہاں وہ سیر افلاک کے بعد بہشت میں پہنچ کر بھی اس غلام و زبوں حال قوم کو فراموش نہ کر سکے ۔ ویسے تو آپ نے کشمیر سے متعلق کئی نظمیں کہی ہیں ۔ لیکن نظم و ترتیب اور جامعیت کے ساتھ کشمیر کی سیاست پر علامہ کا نقطۂ نظر اور زندگی کے بارے میں ان کے فلسفیانہ خیالات ہمیں جاوید نامہ میں ہی ملتے ہیں ۔

ان ایک سو دس اشعار میں علامہ نے کشمیریوں کی غلامی پر جہاں ماتم کیا ہے وہاں اس زیرک و دراک و خوش گل ملت کو خراج عقیدت بھی پیش کیا ہے ۔ علامہ نے باشندگان کشمیر کو خود نگری ، خویشتن داری ، رزم با دیو ، اور قربانی کا درس دیا ہے ، زندگی ، خیر و شر اصل شاہی کی حقیقت بھی سمجھائی ہے ۔ محدودیت و حد ساحل میں زیستن کی مذمت کی ہے ۔ پھر اپنے تئیں تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اہل خطہ سے نا امید نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ان کے سینے میں دل ابھی زندہ ہے ۔ اور وہ میری شاعری کے ذریعے زندہ ہو سکتے ہیں ۔ اس لیے کہ شاعری تشکیل تقدیر امم کا ایک زبردست ذریعہ ہے ۔ آخر میں زندہ رودکی زبان سے علامہ نے ریاستی باشندوں کو فکر و عمل میں پختہ ہو جانے کے بعد سلطنت جم پر جھپٹنے ، جہان ناسازگار کو تبدیل و برہم کرنے رستم دستاں سے دست گریباں ہونے ، عشق کو اپنانے ، اور شعر اقبال کو اپنی سیاست کا محور و رہنما بنانے کا زندگی بخش پیغام دیا ہے ۔

اب علامہ کے اصل اشعار پیش کرنے کے بعد ان کا ترجمہ دیا جاتا ہے ۔

زیارت امیر کبیر حضرت سید علی ہمدانی و ملا طاہر غنی کشمیری ۔

۱ - حرف رومی در دلم سوزے فگند
آہ پنجاب ! آں زمین ارجمند

۲ - از تب یاراں تپیدم در بہشت
کہنہ غمہا را خریدم در بہشت

۳ - تا دراں گلشن صدائے دردمند
از کنار حوض کوثر شد بلند(۹۴)

۴ - جمع کردم مشت خاشا کے کہ سوزم خویش را
گل گمان دارد کہ بندم آشیاں درگلستاں(۹۵) (غنی)

۱ - مولانا رومی کی گفتگو نے میرے تن بدن میں آگ لگا دی ۔ افسوس پنجاب کی عزت کو کیا ہوا ۔

۲ - میں بہشت میں بھی دوستوں کے غم میں جلتا رہا ۔ میں نے یہاں بھی پرانے غموں کو خرید لیا ۔

۳ - اتنے میں گلشن بہشت میں ایک درد ناک آواز حوض کوثر کے کنارے سے مجھے سنائی دی ۔

۴ - میں نے خس و خاشاک اس لئے جمع کیا ہے کہ میں اس میں اپنے آپ کو جلا ڈالوں لیکن پھول گمان کرتا ہے کہ میں گلستان میں آشیانہ تعمیر کر رہا ہوں ۔

تشریح : قصر شرف النسأ میں پہنچ کر زندہ رود رومی سے سوال کرتا ہے کہ یہ محل کس کا ہے ۔ جواب میں مولانا رومی فرماتے ہیں کہ یہ مکان نواب عبدالصمد خان صوبہ دار پنجاب کی بیٹی شرف النسأ کا محل ہے جس کو قرآن و شمشیر سے پیار تھا ۔ مگر افسوس کہ بعد میں یہاں سکھوں کی حکومت قائم ہوئی ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۔

خالصہ شمشیر وقرآں را ببرد
اندراں کشور مسلمانی بمرد

(سکھوں نے مسلمانوں سے تلوار اور قرآن چھین لیا ۔ اس ملک (پنجاب) میں مسلمانی ختم ہو گئی) ۔

علامہ کے دل پر اس انکشاف سے زبردست اثر ہوا ۔ اور ان کے رگ و پے میں بجلی سی کوند گئی ۔ علامہ بہشت کے اندر بھی اہل پنجاب کے غم میں آنسو بہانے لگے اور یاد ماضی میں کھو گئے ۔

اسی اثنأ میں حوض کوثر کے کنارے سے شاعر کشمیر حضرت غنی کی آواز کان میں پڑی ۔ غنی اپنا ایک شعر پر سوز آواز میں گا رہے تھے ۔ وہ علامہ کو سمجھانا یہ چاہتے تھے ۔ کہ سکھوں نے پنجاب پر مظالم ڈہائے اور آخر کار وہ اقتدار سے محروم ہو گئے ۔ حالانکہ لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ ان سے آزادی حاصل کرنا مشکل کام ہے ۔ کیونکہ قانون فطرت کی رو سے جو فرد یا قوم بے گناہوں پر ظلم و ستم کرتی ہے وہ اپنی ہی ستم کاریوں کی آگ میں جل کر بھسم ہو جاتی ہے(۹۶) ۔

۱ ۔ گفت رومی : آنچہ می آید نگر
دل مدہ با آنچہ بگذشت اے پسر !

۲ ۔ شاعرِ رنگیں نوا طاہر غنی
فقر او باطن غنی ، ظاہر غنی

۳ ۔ نغمۂ می خواند آں مستِ مدام
در حضورِ سیدِ والا مقام

۴ ۔ سیدالسادات ، سالارِ عجم
دستِ او معمارِ تقدیرِ امم

۵ ۔ تا غزالی درسِ اللہ ھو گرفت
ذکر و فکر از دودمانِ او گرفت

۶ - مرشد آن کشور مینو نظیر
میر و درویش و سلاطین را مشیر

۷ - خطه را آن شاه دریا آستین
داد علم و صنعت و تہذیب و دین

۸ - آفرید آن مرد ایران صغیر
با ہنر ہائے غریب و دل پزیر

۹ - یک نگاه او کشاید صد گره
خیز و تیرش را بدل راہے بده

۱ - رومی نے مجھے سمجھایا کہ بیٹے ! آنے والے زمانے پر نظر رکھو - جو واقعات و حوادث گزر چکے ان کی یاد میں مت جی ہلکان کرو -

۲ - (وہ دیکھو) - رنگیں نوا شاعر ، طاہر غنی جو فقر و استغنا کے باعث باطن میں بھی غنی ہے اور ظاہر میں بھی -

۳ - ہمیشہ سر مست رہنے والا غنی سید والا مقام (شاہ ہمدان) کے حضور ایک نغمہ پیش کر رہا ہے -

۴ - کون سید والا مقام ؟ سادات کے سردار - عجم کے قافلہ سالار - جن کا ہاتھ تقدیر امم کا معمار ہے -

۵ - جن کے بزرگوں سے امام غزالی نے استفادہ معنوی کیا - اور ان کے خاندان سے ذکر و فکر کی دولت حاصل کی -

۶ - (شاہ ہمدان) کشمیر جنت نظیر کے مرشد روحانی ہیں - آپ امراً ، صوفیاً اور سلاطین کے مشیر تھے -

۷ - خطۂ کشمیر کو اس دریا دل بادشاہ نے علوم ، ضیائع ، تہذیب اور دین سے نوازا -

۸ - اس مرد خدا نے ہنرہائے عجیب و غریب عطا کر کے کشمیر کو ایران صغیر بنا دیا -

۹ - اس کی ایک نگاہ سینکڑوں گرہیں کھولنے کے لئے کافی ہے -
بیٹے ! اٹھ اور اس کے تیر کو اپنے دل میں پیوست ہونے دے -
تشریح : مندرجہ بالا نو اشعار میں علامہ نے رومی کی طرف سے

ماضی کے غم میں گھلنے سے زیادہ مستقبل کی تعمیر پر توجہ دینے کی ضرورت پر زور دیا ہے - غنی کی مدح و ستائش کے بعد شاہ ہمدان (متوفی ۷۸۶ھ) کا مقام و مرتبہ بتانے کے ساتھ ساتھ اُن کی علمی ، لسانی ، تعلیمی ، روحانی ، تہذیبی اور دینی خدمات کا اعتراف کیا ہے جو آپ نے اپنے رفقاً کے ہمراہ وادی کشمیر میں چودھویں صدی عیسوی میں انجام دیں(۹۷) -

آخری بیت میں علامہ نے مرشد رومی کے توسط سے یہ بات ذہن نشیں کرائی ہے کہ اہل کشمیر کے موجودہ اور آئندہ مسائل کا حل ، حضرت شاہ ہمدانرح سے محبت و عقیدت اور ان کے نقوش قدم پر چلتے رہنے میں پوشیدہ ہے -

رومی کی یہ گفتگو سننے کے بعد علامہ حضرت سید علی ہمدانی کے حضور مشرف و ہم کلام ہوتے ہیں -

در حضور شاہ ہمدان -

۱ - از تو خواہم سرّ یزداں را کلید
طاعت از ما جست و شیطاں آفرید

۲ - زشت و ناخوش را چناں آراستن
در عمل از ما نکوئی خواستن

۳ - از تو پرسم ایں فسوں سازی کہ چہ!
با قمار بد نشیں، بازی کہ چہ!

۴ - مشت خاک و ایں سپہر گرد گرد
خود بگو می زیبدش کارے کہ کرد

۵ - کار ما، افکار ما، آزار ما
دست با دنداں گزیدن کار ما

۱ - میں آپ سے خدا کے اس بھید کو معلوم کرنا چاہتا ہوں ۔ کہ اس نے ہم کو اطاعت کا حکم دیا اور ساتھ ہی شیطان کو بھی پیدا کیا ۔

۲ - بدی کو اس قدر آراستہ کرنا ۔ اور پھر عمل میں ہم سے نیکی کی توقع رکھنا ؟

۳ - میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اس فسوں سازی کا کیا مطلب اور بد سرشت قمار باز کے ساتھ کھیلنا کیا معنی ؟

۴ - ایک طرف مشت خاک سے پیدا کیا ہوا ناچیز انسان ہے اور دوسری طرف دھول دکھائی دینے والا آسمان ۔ اب آپ ہی فرمائیے کہ یہ کام خدا کے شایان شان تھا ، جو اس نے کیا ۔

۵ - ہمارا کاروبار ہمارے افکار ہمارے لئے غم و آزار کا موجب ہیں ۔ اب ہمارا کام تو بس حیرت سے ہاتھ کاٹنا ہے ۔

تشریح : ان پانچ شعروں میں علامہ نے حضرت شاہ ھمدان سے یہ سوال پوچھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کے ساتھ شیطان کیوں پیدا کیا ۔ اور نیکی کے مقابلے میں شر کو کس مقصد کے لئے تخلیق کیا آخر اس نے زندگی میں زشت و ناخوب کو اس قدر آراستہ کیوں کیا ہے ۔ انسان کو ایک بد جنس قمار باز کے ساتھ کھیلنے کے لئے بٹھا دیا گیا ہے ۔ ایک طرف تو خدا نے وسیع کائنات بنائی تو دوسری طرف انسان ضعیف بنیان کو پیدا کر دیا ۔ ہم اس وجود خیر و شر کی حکمت سمجھ نہیں پاتے ہیں ۔

اس سوال کا جواب حضرت شاہ ھمدان نے یہ دیا ۔

شاہ ھمدان

۱ - بندۂ کز خویشتن دارد خبر
آفریند منفعت را از ضرر

۲ - بزم با دیو است آدم را وبال
رزم بادیو است آدم را جمال

۳ - خویش را بر اہرمن باید زدن
تو ھمہ تیغ ، آں ھمہ سنگ فسن

۴ - تیز تر شو تا رفتد ضرب تو سخت
ورنہ باشی در دو گیتی تیرہ بخت

۱ - وہ بندہ جسے اپنا عرفان حاصل ہو۔ برائی سے بھلائی کی صورت نکال لیتا ہے۔

۲ - دیو کے ساتھ دوستی ہلاکت اور اُس کے ساتھ جنگ آدمی کے حق میں باعث خیر و بقا ہے۔

۳ - اپنے آپ کو اہرمن (شیطان) پر پھینکنا چاہئے۔ تو سراپا تلوار ہے اور اہرمن تلوار کو تیز کرنے والا پتھر (سان)۔

۴ - تو تیز تر ہو جا تاکہ تیری کاٹ گہری ہو۔ نہیں تو دو جہانوں میں تو ناکام و نامراد ہو جائے گا۔

تشریح : ان اشعار میں علامہ نے اپنے تین فلسفیانہ خیالات کو بیان کیا ہے۔ یعنی خودی و خود شناسی، شر کے ساتھ پیکار۔ اور خودی کا استحکام۔ علامہ کشمیریوں کو پیغام یہ دیتے ہیں کہ سب سے پہلے تو ان کو اپنی ذات کا عرفان حاصل کرنا چاہئے۔ کیونکہ خود شناس و خود آگاہ قوم شر سے بھی خیر کا پہلو نکال لیتی ہے۔ دوسرا پیغام یہ ہے کہ مسلمانان کشمیر کو ڈوگروں کی غلامی اختیار کرنے کی بجائے ان سے برسر پیکار ہونا چاہئے۔ کیونکہ یہ بمنزلہ دیو ہیں اور دیو سے دوستی ہرگز منفعت بخش نہیں ہوتی۔ مسلمان کے لئے دیو و ابلیس سان کی مانند ہیں جن پر وہ اپنی خودی کی تلوار کو رگڑ کر تیز تر کر سکتا ہے۔ دشمن پر غالب آنے اور اسے مٹانے کے لئے ضروری ہے کہ ہماری خودی میں استحکام عزم و ارادہ میں پختگی اور جدو جہد میں خلوص ہو۔

زندہ رود

۱ - زیر گردون آدم، آدم را خورد
ملتے بر ملتے دیگر چرد!

۱ - جان ز اهلِ خطہ سوزد چو سپند
خیزد از دل نالہ ہائے درد مند

۲ - زیرک و درّاک و خوش گل ملتے است
در جہاں تر دستیٔ او آیتے است

۳ - ساغرش غلطندہ اندر خون اوست
در نۓ من نالہ ، از مضمون اوست

۵ - از خودی تا بے نصیب افتادہ است
در دیارِ خود غریب افتادہ است

۶ - دستِ مزد او بدستِ دیگراں
ماہیٔ رودش بہ شستِ دیگراں

۷ - کاروانہا سوئے منزل گام گام
کارِ او ناخوب و بے اندام و خام

۸ - از غلامی جذبہ ہائے او بمرد
آتشے اندر رگِ تاکش فسرد

۹ - تانہ پنداری کہ بود است این چنین
جبہہ را ہموارہ سود است این چنین

۹ - در زمانے صف شکن ہم بودہ است
چیرہ و جانباز و پرُدم بودہ است

۱ - آسمان کے نیچے قوم ، قوم کو کھا رہی ہے - ملت ، ملت کو مٹا رہی ہے -

۲ - میں اہل خطہ کے غم میں بیقرار ہوں - میرے دل سے درد ناک آہیں نکل رہی ہیں -

۳ - کشمیری ایک ذہین ہوشیار اور حسین قوم ہے - دنیا میں اس کا ھنر معجزہ سے کم نہیں -

۴ - اس کا پیالہ اپنے ہی لہو سے بھرا ہوا ہے - میری بانسری کے گریہ کا موضوع یہی قوم ہے -

۵ - کشمیری جب سے اپنی خودی سے بے نصیب و محروم ہوا - تب سے وہ اپنے ہی وطن میں اجنبی ہو کر رہ گیا ہے -

۶ - اس کی مزدوری دوسرے کھاتے ہیں - اس کے دریا کی مچھلی اوروں کے جال میں ہے -

۷ - قافلے منزل کی سمت رواں دواں ہیں - لیکن اس کا کام ابھی تک ناخوب اور خام ہے -

۷ - غلامی سے اس کے جذبات سرد ہو گئے - اس کی رگ تاک میں آگ ٹھنڈی ہو گئی -

۹ - پر یہ نہ سمجھنا کہ یہ قوم ہمیشہ سے اسی طرح تھی - غلام ہو کر اغیار کے آگے ماتھا رگڑتی رہی -

۱۰ - کسی زمانہ میں یہ صف شکن اور فاتح بھی تھی - غالب ، جانباز اور بہادر و دلیر بھی تھی -

تشریح : اس بند میں علامہ نے اقوام غالب و مغلوب کا ذکر کرکے کشمیری قوم سے اپنی محبت کا ذکر کیا ہے ۔ اور پھر اس زیرک و دراک قوم کو خراج عقیدت پیش کیا ہے ۔ اور اس کی بد قسمتی پر آنسو بھی بہائے ہیں جو خودی سے بے نصیب ہو کر اپنے ہی وطن میں غلامی کی زندگی گزار رہی ہے ۔ علامہ کشمیر کے اس استحصالی نظام کی بھی مذمت کرتے ہیں جس میں مزدور ، محنت کش اور ہنرمند کی مزدوری سرمایہ داروں کے عیش و عشرت پر خرچ ہوتی ہے ۔

علامہ اس حقیقت کی طرف بھی توجہ دلاتے ہیں کہ غلامی کسی قوم کا مقسوم نہیں ہوتا ۔ قومیں اگر کبھی غلام ہو جاتی ہیں تو وہ خود شناسی، غیرت ، ہمت اور اتحاد کی بدولت دوبارہ اپنا چھنا ہوا اقتدار حاصل بھی کر لیتی ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ ایشیا اور یورپ اور افریقہ کی تمام غلام قومیں بیدار ہوکر حصول آزادی کے لئے مصروف عمل ہیں ۔ کشمیریوں کو بھی انقلاب عالم اور بیداری کائنات سے سبق لینا چاہئے تھا ۔ لیکن غلامی نے اُن سے جذبہ و احساس کی نعمت چھین لی ہے ۔

بند کے آخری دو شعروں میں علامہ نے اس قوم کے ماضی کی ایک جھلک دکھائی ہے ۔ کہ کشمیری ہمیشہ سے ہی غلام نہیں چلے آئے بلکہ یہ لوگ کسی زمانہ میں صف شکن اور چیرہ و پردم بھی رہے ہیں ۔ لہذا چند برسوں کی غلامی ان کو ہمیشہ کے لئے حکمرانی سے محروم نہیں رکھ سکتی ۔

(۱) کوہ ہائے خنگ سارِ او نگر
آتشیں دستِ چنارِ او نگر

(۲) در بہاران لعل می ریزد زسنگ
خیزد از خاکش یکے طوفان رنگ

(۳) لکہ ہائے ابر در کوہ و دمن
پنبہ پران از کمانِ پنبہ زن

(۴) کوہ و دریا و غروب آفتاب
من خدارا دیدم آنجا بے حجاب

(۵) با نسیم آوارہ بودم در نشاط
بشنو از نے می سرودم در نشاط

(٦) مرغکے می گفت اندر شاخسار
با پشیزے می نیرزد ایں بہار

(۷) لالہ رست و نرگس شہلا دمید
باد نو روزی گریبانش درید

(۸) عمرہا بالید ازیں کوہ و کمر
نستر از نور قمر پاکیزہ تر

(۹) عمرہا گل رخت بربست و کشاد
خاک ما دیگر شہاب الدیں نزاد

۱ - کشمیر کے سر سبز پہاڑوں کو دیکھو - اس کے آتشیں دست چناروں کو دیکھو -

۲ - موسم بہار میں چٹان سے لعل پھوٹتا ہے - کشمیر کی مٹی سے رنگ کا طوفان ابھرتا ہے -

۳ - دشت و صحرا میں ابر کے ٹکڑے ایسے لگتے ہیں - جیسے روئی دھننے والے کی کمان سے روئی اڑ رہی ہو -

۴ - پہاڑ ، دریا اور سورج ڈوبنے کا منظر قابل دید ہوتا ہے - میں نے کشمیر میں خدا کو سچ مچ بے حجاب دیکھا -

۵ - میں باد نسیم کے ساتھ نشاط باغ میں آوارہ تھا - اس باغ میں "بشنواز نے،،(۹۸) کا نغمہ گا رہا تھا -

۶ - اتنے میں سنا کہ ٹہنی پر بیٹھا ایک چھوٹا سا پرندہ کہہ رہا ہے - یہ بہار تو کوڑی قیمت کی نہیں ہے -

۷ - لالہ اور نرگس کے پھول کھلے - نوروز کی ہوا نے ان کا گریبان چاک کر دیا -

۸ - سالہا سال ان پہاڑوں میں ایسی نسترن کھلتی رہی جو چاندنی سے زیادہ پاکیزہ تھی -

۹ - صدیوں سے پھول کھلتے اور مرجھاتے رہے - لیکن ہماری خاک سے کوئی دوسرا سلطان شہاب الدین نہ اٹھا -

تشریح : علامہ مکین پر مکان کا اثر مانتے ہیں - افراد و اقوام کے افکار و کردار پر کسی ملک کی مخصوص جغرافیائی حیثیت کا زبردست اثر ہوتا ہے - علامہ بتانا یہ چاہتے ہیں کہ کشمیری قوم ہمیشہ کے لئے غلامی ، ذلت اور پستی میں نہیں رہ سکتی - برف سے ڈھکے ہوئے اونچے اونچے پہاڑ اور آتشیں دست چناروں میں بسنے والی یہ قوم پست ہمت اور مردہ وا فسردہ کیسے ہو سکتی ہے - کیونکہ پہاڑ اس قوم کو روز و شب رفعت و عظمت کا پیغام اور چنار گرمی و حرارت کا انعام دیتے ہیں - بہار

آتی ہے تو کشمیر کی چٹانیں لعل ناب اگلتی ہیں ۔ جہاں کے مناظرِفطرت بندوں کو خدا کا دیدار کرا دیتے ہوں وہاں کے لوگ غفلت و خود فراموشی میں نہیں رہ سکتے ۔

بند کے آخری تین شعروں میں علامہ نے پرندے کی زبانی کشمیری مسلمانوں کے زوال اور ان کے سیاسی اضمحلال کی داستان سنائی ہے ۔ اور یہ نکتہ سمجھایا ہے کہ مناظر فطرت سے لطف اندوز اور طبیعی وسائل سے بہرہ ور وہی قوم ہو سکتی ہے جو حکومت و سلطنت کی مالک ہو ۔ ایک غلام و محکوم قوم کو یہ شعور ہی کہاں کہ وہ اپنے پہاڑوں ، دریاؤں نہروں ، مرغزاروں ، آبشاروں ، باغوں ، جنگلوں ، وادیوں ، سے محبت کرے ۔

آخری شعر مادر وطن کے عقیم ہو جانے کا نوحہ ہے ۔ جس نے آج تک دوسرا شہاب الدین پیدا نہ کیا ۔ شہاب الدین بن شمس الدین شاھمیری خاندان کا مشہور سلطان گزارا ہے ۔ اس کا عہد حکومت ۱۳۵۶ء سے ۱۳۷۴ء تک ہے ۔ شہاب الدین کے عہد میں کشمیر سیاسی طور پر مستحکم ہوا ۔ سلطنت کی حدود پھیلیں اور لداخ ، گلگت ، کاشغر ، کابل ، پشاور پنجاب کے علاقے اس کے زیر نگین آئے ۔

۱ ۔ نالۂ پر سوز آن مرغِ سحر
داد جانم را تب و تاب دگر

۲ ۔ تا یکے دیوانہ دیدم در خروش
آنکہ برُد از من متاعِ صبر و ہوش

۳ ۔ بگذر ز ما و نالۂ مستانہ مجوئے
بگذر ز شاخِ گل کہ طلسمے است رنگ و بوئے

۴ - گفتی کہ شبنم از ورق لالہ می چکد
غافل دلے است ایں کہ بگرید کنارِ جوئے

۵ - ایں مشت‌پر کجا و سرود ایں چنیں کجا
روح غنی است ماتمیٔ مرگ آرزوے

۶ - بادِ صبا اگر بہ جینوا گذر کنی
حرفے زما بہ مجلس اقوام باز گوئے

۷ - دھقان و کشت وجوئے و خیابان فروختند
قومے فروختند و چہ ارزاں فروختند

۱ - اس مرغ سحر کے نالۂ پرسوز نے میرے دل میں عجیب اضطراب پیدا کر دیا۔

۲ - پھر میں نے ایک مجذوب چیختے چلاتے دیکھا جس نے مجھے اور بھی بے ہوش و بے قرار کر دیا تھا۔ یہ مجذوب غنی کاشمیری تھا۔ وہ یہ غزل گا رہا تھا۔

۳ - ہمیں چھوڑ دو اور ہم سے نالۂ مستانہ کی توقع نہ رکھو۔ شاخ گل کا فریب مت کھاؤ کہ یہ تو رنگ و بو کا ایک طلسم ہے۔

۴ - یہ تو کہتا ہے کہ ورق لالہ سے شبنم کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ (یہ بات نہیں) یہ تو کوئی غافل دل معلوم ہوتا ہے جو نہر کے کنارے آنسو بہا رہا ہے۔

۵ - یہ مشت پر (پرندہ) کہاں اور ایسا درد انگیز نغمہ کہاں۔ یہ تو دراصل غنی کشمیری کی روح ہے۔ جو مرگ آرزو پر ماتم کر رہی ہے۔

۶ - اے باد صبا اگر کبھی جنیوا جانے کا اتفاق ہوا تو مجلس اقوام کو ہمارا یہ پیغام پہنچا دینا ۔

۷ - کہ (انگریزوں نے) کشمیر کے دھقانوں ، کھیتوں ، نہروں اور باغوں کو (سکھوں کے ہاتھ) بیچ دیا ۔ حد تو یہ ہے کہ پوری کشمیری قوم کو بہت سستے داموں بیچا ۔

تشریح : علامہ کہتے ہیں کہ روح غنی کشمیری ایک پرندے کی شکل میں شاخ پر بیٹھی اس بات کا رونا رو رہی تھی کہ خاک کشمیر نے سلاطین پیدا کرنے چھوڑ دیئے ۔ یہ دل آویز نالہ سن کر میرے دل پر بڑا اثر ہوا ۔ اسی اثنا میں روح غنی دوبارہ جوش و سرمستی کے عالم میں گانے لگی کہ شاخ گل رنگ و بو کا ایک طلسم ہی تو ہے ۔ مال و ثروت فانی چیز ہے اصل اور باقی رہنے والی حقیقت تو کردار ہے ۔ لہذا ماتم اخلاق و کردار کے مٹنے کا کرنا چاہئے ۔

روح غنی باد صبا کے ذریعے کشمیر کا مسئلہ مجلس اقوام میں پیش کرتی اور عدل و انصاف کی طالب بنتی ہے اور کہتی ہے کہ ۱۶ مارچ ۱۸۴۶ء کو ہندوستان کے وائسرائے لارڈ ہارڈنگ نے کشمیر کے دھقان ، کھیت ، نہریں اور باغات ـــ یہاں تک کہ پوری ملت کشمیر پچھتر لاکھ نانک شاہی کے عوض مہاراجہ گلاب سنگھ کو فروخت کر دی تھی ۔ یہ بردہ فروشی کی بد ترین مثال ہے علامہ نے غنی کے ذریعے اسی انسانیت سوز بیعنامہ کے خلاف مجلس اقوام میں مقدمہ دائر کروایا ہے ۔

اس کے بعد امیر کبیر حضرت سید علی ہمدانی سے علامہ نے تقریر کروائی ہے ۔

۱ - با تو گویم رمز باریک اے پسر
تن همه خاک است و جان والا گہر

۲ - جسم را از بہر جان باید گداخت
پاک را از خاک می باید شناخت

۳ - گر ببرّی پارهٔ تن را ز تن
رفت از دستِ تو آن لختِ بدن

۴ - لیکن آن جانے که گردد جلوه مست
گر ز دست او را دهی آید بدست

۵ - جوهرش با هیچ شے مانند نیست
هست اندر بند و اندر بند نیست

۶ - گر نگهداری بمیرد در بدن
ور بیفشانی فروغ انجمن

۷ - چیست جان جلوه مست اے مرد راد
چیست جان دادن ؟ ز دست اے مرد راد

۸ - چیست جان دادن بحق پرداختن
کوه را با سوز جان بگداختن

۹ - جلوه مستی ؟ خویش را دریافتن
در شبان چون کوکبے بر تافتن

۱۰ - خویش را نا یافتن نابودن است
یافتن خود را بخود بخشودن است

۱۱ - هر که خود را دید و غیر از خود ندید
رخت از زندان خود بیرون کشید

۱۲ - جلوه بد مستی که بیند خویش را
خوشتر از نو شینه داند نیش را

۱۳ - در نگاهش جان چو باد ارزان شود
پیش او زندان او لرزان شود

۱۴ - تیشۀ او خاره را بر می درد
تا نصیب خود ز گیتی می برد

۱۵ - تا ز خود بگذشت جانش جان اوست
ورنه جانش یک دو دم مہمان اوست

۱ - اے بیٹے ! میں تجھے ایک باریک رمز سمجھاتا ہوں ۔ (یہ وہ کہ) جسم مٹی سے بنا ہے اور روح قیمتی و ابدی ہے ۔

۲ - جسم کو روح کی خاطر پگھلانا چاہئے ۔ روح پاک اور مٹی کی پہچان کرنی چاہئے ۔

۳ ۔ اگر تو بدن کے ایک حصے کو بدن سے کاٹ ڈالے تو وہ حصہ پھر تیرے ہاتھ نہیں آئے گا ۔

۴ - لیکن وہ روح ، جو جلوہ مست ہو جائے اگر اسے تو کھو بھی دے تو دوبارہ تجھے مل جائے گی ۔

۵ - روح کا جوہر کسی چیز کی مانند و مثیل نہیں ۔ وہ بظاہر بدن کی قید میں ہے لیکن دراصل قید میں نہیں ہے ۔

۶ - تو اگر روح کو بچا بچا کے رکھے تو وہ بدن میں ہی مر جائے گی - اور اگر اسے تو نثار کر دے گا تو یہ شمع انجمن بن جائے گی -

۷ - بھلے آدمی ! ''جان جلوہ مست،، کسے کہتے ہیں ؟ اور جان دے دینے کا مطلب کیا ہے ؟

۸ - جان دے دینا کیا ہے ؟ حق کے لئے ہو جانا پہاڑ کو سوز جان کے ذریعے پگھلا دینا -

۹ - جلوہ مستی کسے کہتے ہیں ؟ اپنے آپ کو پا لینا - راتوں میں ستارے کی طرح چمکنا -

۱۰ - اپنے تئیں کھو دینا - مٹ جانا ہے - اپنے آپ پانا اپنے کو زندگی عطا کرنا ہے -

۱۱ - جس نے اپنا آپ دیکھا اور ماسوا سے آنکھیں پھیر لیں - وہ اپنے زندان سے رہا ہو گیا -

۱۲ - وہ ''جلوۂ بد مست،، جو اپنی ذات کو دیکھ لے ، وہ زہر کو شربت سے بدرجہا بہتر سمجھتا ہے -

۱۳ - اس کی نظر میں جان ہوا کی طرح ارزاں ہو جاتی ہے - اس کے آگے اس کا زندان بھی کانپنے لگتا ہے -

۱۴ - اس کا تیشہ سنگ خارہ کو کاٹ ڈالتا ہے تاکہ وہ زمانے سے اپنا حصہ حاصل کر لے -

۱۵ - اپنے آپ سے گذر جانے (شہید ہونے) کے بعد ہی روح اس کی روح بنتی ہے - نہیں تو روح چند لمحوں کی مہمان ہوتی ہے -

تشریح : مندرجہ بالا پندرہ اشعار میں حضرت شاہ همدان رح کی طرف سے علامہ نے جسم و جان کی حقیقت اور قربانی و شہادت کی اہمیت واضح فرمائی ہے ۔ خلاصہ یہ ہے کہ جسم فانی ہے اور روح ابدی ۔ جسم کو روح کے لئے قربان کرنا چاہئے اور موت سے ڈرنا نہیں چاہئے ۔ کیونکہ قربانی و ایثار سے ہی ہم قوم کی قسمت کو چمکا سکتے ہیں ۔

لیکن قربانی کے لئے ضروری شرط یہ ہے کہ آدمی عرفان ذات اور عرفان حق کے جلوہ میں مست ہو ۔ اگر کوئی آدمی خودی کو اپنا کر اپنے اندر کے انسان کو پا نہیں لیتا تو ایسا آدمی ہمیشہ کے لئے نابود ہو جاتا ہے ۔

عرفان ذات اور معرفت حق کے بعد افراد و اقوام موت کو زندگی اور مشکلات کو راحتوں پر ترجیح دینے لگتی ہیں ۔ ابدی زندگی تو فقط جان کو نثار کرنے کے بعد ملتی ہے ورنہ قربانی و ایثار کے بغیر روح چند دنوں کے بعد مر جاتی ہے ۔

ان ابیات میں علامہ نے کشمیری قوم کو یہ پیغام دیا ہے کہ وہ مشکلات کا مقابلہ کریں ۔ خوف کی جگہ اپنے اندر بیباکی و جرأت پیدا کریں ۔ موت سے ڈرنا چھوڑ دیں ۔ سچائی ، انصاف ، حقوق ، آزادی اور قومی وقار کی خاطر ۔ اگر جان دینے کا موقع ہو تو اس سے بھی گریز نہ کریں ۔

زندہ رود

۱ ۔ گفتۂ از حکمتِ زشت و نکوئے   پیر دانا نکتۂ دیگر بگوئے

۲ ۔ مرشد معنی نگاہان بودۂ   محرم اسرار شاہان بودۂ

۳ ۔ ما فقیر و حکمراں خواہد خراج　　چیست اصل اعتبار تخت و تاج

۱ ۔ اے پیر دانا ! آپ نے زشت و نکو اور خیر و شر کا فلسفہ تو مجھے سمجھا دیا ۔ لیکن اب ایک نکتہ بھی ذہن نشین کرا دیجئے ۔

۲ ۔ (کیونکہ) آپ عارفان حقیقت کے مرشد و رہنما تھے اور بادشاہوں کے محرمِ اسرار ۔

۳ ۔ (نکتہ یہ ہے کہ) ہم فقیر و محتاج ہیں ۔ پھر بھی حکمراں ہم سے خراج طلب کرتا ہے ۔ (اب یہ فرمائیے کہ) تخت و تاج کی اصلیت کیا ہے ؟

تشریح : زندہ رود (اقبال) نے حضرت شاہ ھمدان سے طاعت از ماجست و شیطان آفرید کے سوال کا مفصل جواب سن کر اب یہ سوال کیا کہ آپ نے دیو کے ساتھ رزم کو زندگی کی شرط ٹھرایا ہے ۔ مگر مشکل یہ ہے کہ اہل کشمیر تو غریب و مفلس ہیں وہ تحریک حریت کا آغاز کیسے کریں اور اسے جاری کیونکر رکھیں ۔ ڈوگرہ حکومت تو ان سے اطاعت چاہتی ہے ۔

علامہ کے اس اہم سوال کا جواب حضرت شاہ ھمدان نے مندرجہ ذیل اٹھ شعروں میں دیا ہے ۔

۱ ۔　اصلِ شاھی چیست ! اندر شرق و غرب ؟
　　یا رضائے امتاں یا حرب و ضرب

۲ ۔　فاش گویم با تو اے والا مقام
　　باج را جز با دو کس دادن حرام

۳ - یا اولی‌الامرے کہ ''منکم'' شان اوست
آیۂ حق حجت و برہان اوست

۴ - یا جوان مردے چو صر صر تند خیز
شہر گیر و خویش باز اندر ستیز

۵ - روز کین کشور کشا از قاہری
روز صلح از شیوہ ہائے دلبری

۶ - می توان ایران و ہندوستان خرید
پادشاہی را زکس نتوان خرید

۷ - جام جم را اے جوان با ہنر
کس نگیرد از دکان شیشہ گر

۸ - ور بگیرد مال او جز شیشہ نیست
شیشہ را غیر از شکستن پیشہ نیست

۱ - مشرق و مغرب میں بادشاہت کی اصلیت کیا ہے ؟ یا قوموں کی رضا یا جنگ و جدل ۔

۲ - یہ نکتہ کھول کر بیان کرتا ہوں کہ خراج (ٹیکس) دو آدمیوں کے علاوہ کسی کو دینا حرام ہے ۔

۳ - یا اس حاکم کو جو تم میں سے ہو یا اس جوان مرد کو جو باد صر صر کی مانند تند خیز اور شہر گیر و صف شکن ہو ۔

۴ - ایسا جوان مرد جو زمانۂ جنگ میں کشور کشا ہو ۔ اور ایام صلح میں شفقت و رعیت پروری کا پیکر ۔

۵ - یاد رکھو - ایران و ہندوستان تو خریدے جا سکتے ہیں - لیکن کسی سے حکومت و سلطنت نہیں خریدی جا سکتی -

٦ - اے ہنر مند بیٹے ! جمشید کا پیالہ کوئی دکان شیشہ گر سے تھوڑی ہی خریدتا ہے -

۷ - اور اگر خرید بھی لے تو اس کی ملک تو وہی شیشہ ہے - شیشے کا مقدر چکنا چور ہونا ہے -

تشریح : اوپر کے اشعار میں شاہ ہمدان کی زبانی علامہ نے اہل کشمیر کو یہ پیغام دیا ہے کہ اطاعت دو قسم کے حکمرانوں کی ہوسکتی ہے - اولاً اس مسلمان حکمران کی جو اولی الامر منکم کی تعریف میں آتا ہو - ثانیاً اس فاتح کو خراج دیا جا سکتا ہے جس نے کسی ملک کو جنگ کر کے حاصل کیا ہو - لیکن کشمیر کا ڈوگرہ حکمران نہ تو اولی الامر منکم میں شامل تھا اور نہ ہی اس نے یہ خطہ فتح کیا تھا - ریاست جموں و کشمیر تو ۱۸۴٦ء میں سکھوں نے انگریزوں سے خریدی تھی اور یہ ڈوگروں کو مل گئی تھی -

علامہ نے آخر کے تین شعروں میں ملک اور بادشاہت کا فرق بتایا ہے - وہ کہتے ہیں کہ ایک خطۂ ارض تو خریدا جا سکتا ہے مگر بادشاہت اور حکمرانی خریدی نہیں جا سکتی - حکمرانی تو ملک میں رہنے والوں کا حق ہے - حکومت کرنے کا پروانہ کسی سے نہیں لکھوایا جاسکتا - اگر کوئی فرد ایسا دعویٰ کرے تو یہ حکمرانی شیشہ گر کی دوکان سے خریدے ہوئے شیشہ کی مانند ہوگی جس کا مقدر ٹوٹنا ہے -

لہذا ڈوگروں نے ریاست پر فرماں روائی کا جو پروانہ لیا تھا وہ بھی اسی شیشہ کی دوکان کی طرح ناپائدار ہے۔ البتہ اس طلسم سامری کو توڑنے کے لئے ہمت و جرأت کی ضرورت ہے۔

غنی

۱۔ ہند را این ذوق آزادی کہ داد ؟
صید را سودائے صیادی کہ داد ؟

۲۔ آن برهمن زادگان زندہ دل
لالۂ احمر زروئے شان خجل

۳۔ تیز بین و پختہ کارو سخت کوش
از نگاہ شان فرنگ اندر خروش

۴۔ اصل شان از خاک دامن گیر ماست
مطلعِ این اختران کشمیر ماست

۵۔ خاک مارا بے شرر دانی اگر
بر درون خود یکے بکشا نظر !

۶۔ این همه سوزے کہ داری از کجاست ؟
این دمِ بادِ بهاری از کجاست ؟

۷۔ این همان باد است کز تاثیر او
کوهسار ما بگیرد رنگ و بو

۱۔ ہندوستان کو آزادی کا یہ ذوق کس نے دیا ؟ شکار کو شکاری بننے کی ہمت کس نے بخشی ؟

۲ - یہ کام ان زندہ دل برھمنوں کا ہے - جن کے چہرے کو دیکھ کر لالۂ احمر بھی پانی پانی ہو جائے -

۳ - یہ برھمن تیز بین پختہ اور سخت کوش ہیں - انگریز بھی ان کی نگاہ کی تاب نہ لا کر چلا رہا ہے -

۴ - ان کی اصل تو ہماری ہی خاک ہے - ان ستاروں کا مطلع ہماری ہی سر زمین کشمیر ہے -

۵ - تو اگر ہماری خاک کو بے شرر سمجھتا ہے - تو اپنے ہی اندر ایک نظر ڈال کر دیکھ لے -

٦ - یہ سوز و حرارت جو تو رکھتا ہے یہ کہاں سے آئی - باد بہاری کی یہ سانس کدھر سے آئی -

۷ - یہ تو وہی باد بہاری ہے جس کی تاثیر سے ہمارے کوھسار رنگ و بو حاصل کر رہے ہیں -

تشریح : یہاں غنی کے عنوان سے علامہ نے جو اشعار درج کئے ہیں ان میں غنی کشمیری کی طرف سے کشمیری قوم کو احساس برتری دلا کر انہیں جدو جہد کا پیغام دیا گیا ہے -

علامہ یہ احساس دلانا چاہتے ہیں کہ تم اپنی قوم کو مایوس و افسردہ مت سمجھو- تمہیں تو نہ صرف یہ کہ آزادی حاصل کر کے زندہ قوموں کی طرح آگے بڑھنا چاہئے - بلکہ اقوام کی قیادت و رہنمائی بھی کرنی چاہئے - علامہ ہندوستان کے نہرو خاندان کی مثال دے کر اہل کشمیر کو عزم و ہمت کا پیغام دیتے ہیں - برصغیر کی آزادی کے لئے جس زندہ دل برھمن ــــــ پنڈت موتی لال نہرو نے اور اس کے بیٹے جواہر لال نہرو نے

تحریک چلائی ۔ اس کے بزرگ کشمیر سے ہی ترک وطن کر کے الہ‌آباد میں جا بسے تھے(۹۹) ۔ ان ستاروں کا مطلع ہمارا ہی کشمیر ہے ۔ انہی کشمیری الاصل پنڈتوں نے پہلے پہل آزادی ہند کے لئے جدو جہد کی ۔

اس برھمن زادہ کی کوشش سے ہندوستان بیدار ہوا ۔ کشمیریوں کے دل میں آزادی کی جو تڑپ پیدا ہوئی تو یہ بھی اسی تحریک کا نتیجہ ہے ۔ اب یہی باد بہاری ہمارے کوھسار میں رنگ و بو پیدا کر رہی ہے ۔

۱ ۔ ہیچ میدانی کہ روزی در ولبر
موجہ می گفت بامسوج دگر

۲ ۔ چند در قلزم بیک دیگر زنیم
خیز تا یک دم بساحل سر زنیم

۳ ۔ زادۂ ما یعنی آں جوئے کہن
شور او در وادی و کوہ و دمن

۴ ۔ ہر زماں بر سنگ رہ خود را زند
تا بنائے کوہ را بر می کند

۵ ۔ آں جواں کو شہر و دشت و در گرفت
پرورش از شیر صد مادر گرفت

۶ ۔ سطوت او خاکیاں را محشرے است
ایں ہمہ از ماست نے از دیگرے است

۷ ۔ زیستن اندر حد ساحل خطاست
ساحل ما سنگے اندر راہ ماست

۸ - با کران درساختن مرگ دوام
گرچہ اندر بحر غلطی صبح و شام

۹ - زندگی جولاں میان کوہ و دشت
اے خنک موجے کہ از ساحل گزشت

۱ - تمہیں کچھ معلوم بھی ہے کہ ایک روز جھیل ولر میں ایک موج دوسری موج سے کہہ رہی تھی -

۲ - ہم اس سمندر میں کب تک آپس میں ہی الجھتی رہیں - اب اٹھو تاکہ ہم ساحل سے ٹکرائیں -

۳ - ہماری بیٹی - یعنی پرانی نہر تو ایسی ہے کہ اس کا شور و ہنگامہ کوہ و دمن میں برپا ہے -

۴ - وہ ہمیشہ اپنے آپ کو راستے کے پتھر پر پٹختی ہے - یہاں تک پہاڑ کی بنیاد ہلا دیتی ہے -

۵ - وہ دختر جواں سال جو شہر و دشت پر چھا گئی - اس کی پرورش تو سو ماؤں کے دودھ سے ہوتی ہے -

۶ - اس کی سطوت اہل زمین کے لئے ہنگامۂ محشر سے کم نہیں ہوتی - یہ سب کچھ ہمارا اپنا ہے کسی دوسرے کا نہیں -

۷ - ساحل کی حدود کے اندر جینا خطا ہے - (کیونکہ) ہمارا ساحل ہماری راہ کا پتھر ہے -

۸ - کنارے سے سمجھوتا کر لینا تو حقیقت میں مرگ دوام کی حیثیت رکھتا ہے - خواہ تم صبح و شام دریا میں غلطاں کیوں نہ رہو -

۹ ۔ زندگی تو نام ہے کوہ و دشت میں گردش و جولانی کا ۔ میں اس موج کو سلام کرتا ہوں جو ساحل سے نکل گئی ۔

تشریح : علامہ نے موج ، دریاے ولر ، ساحل ، جوئے کہن، سنگ رہ ، کوہ ، کی ان اصطلاحات میں قوت و شوکت اور حیات سرمدی کا فلسفہ بیان کیا ہے ۔ ولر کشمیر سے اور موج اہل کشمیر سے استعارہ ہے ۔ علامہ تنگ نظری ، علاقائیت پسندی ، محدودیت ، تعصب کے سخت خلاف تھے۔ وہ اس بات کے حق میں بھی نہیں تھے کہ کوئی قوم آپس میں ہی لڑ بھڑ کر اپنی طاقت کو کمزور بناتی رہے ۔ وہ ناساز گاز حالات کا مقابلہ کرنے اور مشکلات پر قابو پانے کی تلقین کرتے ہیں ۔ قوم جب تک مقاصد عالیہ کے حصول کے لئے متحد ہو کر سر گرم عمل نہیں ہو جاتی اس وقت تک اس کی مثال جھیل ولر کی سی ہوتی ہے ۔ جس میں حرکت تو ہے مگر تندی و روانی نہیں ۔

اس کے مقابلہ میں جھیل سے نکلی ہوئی موج تند و تیز راستے کے ہر پتھر سے ٹکرا کر اس سے آگے نکل جاتی ہے اور اونچے اونچے پہاڑوں کو ہلا کر رکھ دیتی ہے ۔ کشمیر کے رہنے والے بھی اگر ولر نہ بنیں موج طوفان خیز بن جائیں تو ظالم حکومت کا تختہ الٹ سکتے ہیں ۔

پانچویں اور چھٹے شعروں میں علامہ نے ایک بار پھر برھمن زادگان کشمیر کی تعریف کی ہے کہ اب جس جوان نے جنوب مغربی ایشا کو بیدار کر دیا اس نے قوم کے بکھرے ہوئے افراد کو ایک پرچم تلے جمع کر کے طاقت بہم پہنچائی ۔ اور اب اس نے اپنی قوم کے اندر زندگی کا صور پھونک دیا ۔ یہ لوگ ہمارے وطن سے ہجرت کر کے گئے تھے کعبے سے ان بتوں کو دور کی نسبت ہے ۔

آخری تین اشعار میں علامہ نے تنگی نظری ، کوتاہ اندیشی ، کو ترک کرنے کی تلقین کی ہے ۔ وہ قبیلائی ، لسانی ، علاقائی تعصب کی بھی مذمت کرتے ہیں ۔ کیونکہ یہ تعصبات 'ساحل' اور 'کراں' ہیں اور ساحل کے اندر جینا مرگ دوام ہے ۔

علامہ نے یہ نکتہ بھی سمجھا دیا ہے کہ ہر کوہ و دشت میں سے جولانی دکھانا اور ہر مشکل مرحلہ سے آگے نکل جانا ہی زندگی ہے ۔

کشمیریوں کے لئے علامہ کا ۱۹۳۲ء میں بھی یہی پیغام تھا اور آج بھی یہی پیغام ہے ۔

۱ ۔ اے کہ خواندی خط مسیمائے حیات
اے بہ خاور دادہ غوغائے حیات

۲ ۔ اے ترا آہے کہ می سوزد جگر
تو ازو بے تاب و ما بے تاب تر

۳ ۔ اے ز تو مرغ چمن را ہائے و ہو
سبزہ از اشک تو می گیرد وضو

۴ ۔ اے کہ از طبع توکشت گل دمید
اے ز امید تو جانہا پر امید

۵ ۔ کاروانہا را صدائے تو درا
تو ز اہل خطہ نومیدی چرا ؟

اس بند میں غنی کشمیری علامہ سے مخاطب ہیں اور ان کے اوصاف گنوانے کے بعد سوال کرتے ہیں کہ آپ اہل خطہ سے مایوس کیوں ہیں ۔

۱ - اے اقبال ، تو نے پیشانی حیات کی تحریر پڑھی ہے - تو نے اہل شرق کو زندگی کا ولولۂ تازہ عطا کیا -

۲ - تو ایسی آہ بھرتا ہے جو جگر کو جلا دیتی ہے - تو اس آہ جگر سوز سے بیتاب ہے اور ہم تجھ سے بھی بڑھ کر بیتاب -

۳ - مرغان چمن نے ہاؤ ہو تجھ سے سیکھی ہے - سبزہ ترے آنسوؤں سے سیراب ہوتا ہے -

۴ - تیری طبع سے پھولوں کی فصل اگی ہے - تیری ہی امید کی بدولت جانیں پر امید ہیں -

۵ - تیری صدا (شاعری) کاروانوں کے حق میں درا ہے - (اتنا کچھ ہوتے ہوئے بھی) تو اہل خطہ سے مایوس و نا امید کیوں ہے ؟

تشریح : حضرت غنی کاشمیری ان پانچ شعروں میں اپنے ہم وطن اقبال کے حضور خراج عقیدت پیش کرتے ہیں اور علامہ کی ان خدمات کا اعتراف کرتے ہیں جو انہوں نے اہل ایشیا بالخصوص اہل کشمیر کی سیاسی بیداری کے سلسلے میں انجام دی، ہیں - آخر میں وہ علامہ سے پوچھتے ہیں کہ آپ کی شاعری تو کئی قافلوں کو بانگ درا بن کر منزل کی طرف بڑھا رہی ہے - آپ کو کشمیریوں سے مایوس اور نا امید نہیں ہونا چاہئے - بلکہ آپ سیاسی اقتصادی اور معاشی مسائل میں دلچسپی لے کر ان کا حل پیش کر سکتے ہیں - اور جس طرح آپ نے مردہ مشرق کے عروق میں خون زندگی دوڑا دیا ہے اسی طرح آپ کشمیر کی زیرک و ذراک و خوش گل ملت کو قعر مذلت سے نکال کر اوج ثریا عطا کر سکتے ہیں -

۱ - دل میان سینۂ شان مردہ نیست
اخگر شان زیر یخ افسردہ نیست

۲ - باش تا بینی کہ بے آواز صور
ملتی بر خیزد از خاک قبور!

۳ - غم مخور اے بندۂ صاحب نظر
بر کش آں آہے کہ سوز و خشک و تر

۴ - شہر ہا زیر سپہر لا جورد
سوخت از سوز دل درویش مرد

۵ - سلطنت نازک تر آمد از حباب
از دمے اورا توان کردن خراب

۶ - از نوا تشکیل تقدیر امم
از نوا تخریب و تعمیر امم

۷ - نشتر تو گرچہ در دلہا خلید
مر ترا چونانکہ ہستی کس ندید

۸ - پردۂ تو از نوائے شاعری است
آنچہ گوئی ماورائے شاعری است

۹ - تازہ آشوبے فکن اندر بہشت
یک نوا مستانہ زن اندر بہشت

۱ - ان کے سینہ میں دل مردہ نہیں - ان کی چنگاری برف کے نیچے بجھ نہیں گئی -

۲ - ذرا صبر کر - تو دیکھے گا کہ صور کی آواز کے بغیر ہی ایک ملت جسم کی قبروں سے اٹھ کھڑی ہوتی ہے -

۳ - اے بندۂ صاحب نظر ! غم نہ کر - (بلکہ) ایسی آہ نکال جو خشک و تر کو جلا کر رکھ دے -

۴ - (کیونکہ) آسمان کے نیچے شہروں کے شہر درویش کے سوز دل سے جل کر راکھ ہو گئے -

۵ - رہی سلطنت تو وہ حباب سے بھی نازک ہے - اسے تو ایک ہی سانس سے تباہ کیا جا سکتا ہے -

٦ - نوا (شاعری) سے امتوں کی تقدیر بنتی ہے اور اسی نوا کے ذریعے ان کی تخریب و تعمیر کا عمل انجام پاتا ہے -

۷ - اگرچہ تیرا نشتر (شعر) سینکڑوں دلوں میں اتر چکا ہے - لیکن افسوس کہ تجھے جس طرح کہ تو واقعی ہے ، کسی نے نہیں پہچانا -

۸ - اگرچہ ترا ذریعۂ اظہار شاعری ہے لیکن دراصل تو جو کچھ کہتا ہے وہ شاعری سے ماوراء ہے -

۹ - اس وقت بہشت میں (اپنی غزل سے) تازہ آشوب برپا کر دے - اور ایک مستانہ نعرہ لگا دے -

تشریح : مندرجہ بالا اشعار میں غنی کے ذریعے علامہ نے کشمیری قوم کے بارے میں کہا ہے کہ وہ ایک مایوس ، نا امید ، افسردہ ، اور غافل

قوم ہیں ۔ لیکن کشمیریوں کے دل ابھی مردہ نہیں ہوئے ۔ اور تم دیکھو گے کہ یہ قوم دوبارہ جی اٹھے گی اور حکمرانی کرنے لگے گی ۔

کشمیریوں کے نام علامہ کا پیغام یہ ہے کہ وہ خدا پر توکل کرنا سیکھیں ۔ مخلصانہ کوششوں کے ساتھ ساتھ دعا بھی کرتے رہیں ۔ جہاں کوشش ناکام ہوتی ہے وہاں دعا ہی اپنا اثر دکھلاتی ہے ۔

علامہ ریاست جموں و کشمیر کے باشندوں کو اس بات کا یقین دلاتے بھی نظر آتے ہیں کہ سلطنت بہت نازک و ناپائدار چیز ہوتی ہے اسے تو آسانی سے تباہ یا تبدیل کیا جا سکتا ہے ۔ البتہ اس سیاسی تبدیلی و انقلاب کے لئے ایک عظیم ملی شاعر کی رہنمائی ناگزیر ہے ۔ اس لئے انقلابی شاعری (نوا) کے ذریعے ہی امتوں کی تقدیر بنائی جا سکتی ہے ۔ شاعری ایک غلط اور جابرانہ نظام کو مٹانے اور امت کی تعمیر جدید کی راہیں دکھاتی ہے ۔

غنی اپنی کشمیری قوم کا گلہ کرتے ہوئے علامہ کو کہتے ہیں کہ تمہاری شاعری پر لوگ سر تو بہت دھنتے ہیں لیکن انہوں نے حقیقت میں تمہیں پہچانا نہیں ۔ عام لوگ تم کو شاعر ہی سمجھتے ہیں ۔ حالانکہ تمہارا پیغام ، تمہارا فلسفۂ حیات ، تمہارے افکار شاعری سے بہت بلند ہیں ۔

ان دو شعروں میں علامہ ڈوگروں کے پنجے میں پھنسے ہوئے کشمیری مسلمانوں (اور غیر مسلموں) کو یہ بتاتے ہیں کہ ان کی شاعری میں آزادی و حریت ، عزت و وقار ، اور تعمیر و ترقی کا پیغام پوشیدہ ہے۔ وہ اگر ان کے اردو اور فارسی کلام کو ایک پیغام رساں شاعر کا کلام سمجھ کر پڑھیں تو وہ یقیناً دوبارہ غفلت ، جہالت ، خوف ، احساس کمتری ، کی قبروں سے جی اٹھیں گے ۔ آخری شعر میں غنی علامہ کو کوئی ایسی

غزل مستانہ سنانے کی فرمائش کرتے ہیں جو بہشت میں آشوب تازہ برپا کر دے ۔

علامہ ارشاد غنی کی تعمیل میں یہاں جو غزل سناتے ہیں وہ زبور عجم سے لی گئی ہے (۱۰۰) ۔ کشمیریوں کے نام علامہ کے سارے پیغام کا خلاصہ اس غزل کے سات اشعار میں آ گیا ہے ۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے اپنے پیغام کی روح اس مطلع میں کھینچ کر رکھ دی ہے تو مبالغہ نہ ہوگا (۱۰۱) ۔

۱ ۔ بانشۂ درویشی در ساز و دمادم زن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن

۲ ۔ گفتند جہانِ ما آیا بتو می سازد ؟
گفتم کہ نمی سازد ! گفتند کہ برہم زن !

۳ ۔ در میکدہ‌ہا دیدم شائستہ حریفے نیست !
با رستمِ دستاں زن با مغبچہ ہا کم زن

۴ ۔ اے لالۂ صحرائی تنہا نتوانی سوخت
ایں داغ جگر تابے بر سینۂ آدم زن

۵ ۔ تو سوزِ درونِ او ، تو گرمئی خونِ او
باور نکنی ؟ چاکے در پیکرِ عالم زن

۶ ۔ عقل است چراغِ تو ؟ در راہ گذارے نہ
عشق است ایاغِ تو ؟ با بندۂ محرم زن

[illegible] لختِ دلِ پرخونے از دیدہ فرو ریزم
لعلے ز بدخشانم بردار و بخاتم زن

۱ - اے مخاطب ! فقر و درویشی کے نشہ میں چور اور ہر وقت اسی کوشش میں مصروف رہ - جب تو پختہ ہو جائے تب سلطنت جم سے برسرپیکار ہو جا -

۲ - خدا نے مجھ سے پوچھا - کیا ہمارا جہاں تجھے راس آیا ؟ میں نے عرض کیا - راس تو نہیں آیا - فرمایا : پھر اس جہان کو مٹا دے -

۳ - میں نے سیکڑوں میں دیکھا کہ کوئی شائستہ حریف نہیں ہے - اس لئے تو بہادروں کے ساتھ میل جول رکھ مغبچوں کے ساتھ دوستی نہ رکھ -

۴ - اے لالۂ صحرائی ! تو اکیلا تو نہیں جل سکتا - اس لئے تو اپنا داغ جگر سوز آدم کے سینہ کو دے دے -

۵ - تو کائنات کا سوز درون بھی ہے اور اس کے خون کی گرمی و حرارت بھی - اگر یقین نہ آئے تو پیکر عالم کو چاک کر کے دیکھ لے -

۶ - عقل ترا چراغ ہے ؟ اسے راہگذار میں رکھ دے - عشق ترا ساغر ہے ؟ کسی محرم کا ہم پیالہ بن -

۷ - میں اپنے پر خون دل کے ٹکڑے آنکھوں سے بہا رہا ہوں - میرے بد خشان سے ایک لعل اٹھا اور اسے اپنی انگشتری کا نگینہ بنالے -

تشریح : غزل کے مطلع میں علامہ نے کشمیری قوم کو آزادی و سلطنت حاصل کرنے کے لئے تین اوصاف اپنانے کی نصیحت کی ہے -

(ا) ان کو اپنے اندر شان فقر پیدا کرنی چاہئے -

(ب) فقر و استغنا کے حصول کی خاطر سعی پیہم اور محنت و ریاض کی ضرورت ہے -

(ج) جب ان میں ذہنی و فکری پختگی اور عمل و کردار کی پاکیزگی پیدا ہو جائے تو پھر وہ

(د) سلطنت جم یعنی ڈوگرہ استبداد اور اس کے بعد ہر قسم کے مسلط کئے ہوئے جابرانہ نظام حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر سکتے ہیں -

دوسرے شعر میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اگر کسی قوم کو غیروں کی بادشاہت راس نہ آئے تو وہ قوم اسے مٹا سکتی ہے اور یہی خدا کی منشأ بھی ہے - ظلم و ناانصافیوں کو مٹانا اور عدل و انصاف قائم کرنا عین خدا کی حکم برداری ہے -

تیسرے شعر میں مسلمانوں کو عموماً اور اہل کشمیر کو خصوصاً جرأت و بہادری کے اوصاف اپنانے اور عیش و عشرت ، تن آسانی اور کاہلی سے بچنے کو کہا گیا ہے -

چوتھے شعر میں علامہ نے لالۂ صحرائی کو کشمیریوں کی علامت بنا کر یہ بات بتائی ہے کہ وہ تنہا اپنا ملی وجود قائم نہیں رکھ سکتے آزادی کے حصول اور پھر آزادی کے تحفظ کے لئے ان کو مالی و اخلاق مدد پاکستان سے حاصل کرنا ہوگی -

پانچویں شعر میں انسان اور خاص کر کے مسلمان کا مقام بتایا گیا ہے
علامہ فرماتے ہیں کہ کائنات تو ایک بے جان و بے شعور پیکر ہے ۔ اس کی سوز و حرارت اور عشق و سرمستی یہی مسلمان ہے ۔ یہ پیرھن عالم کا رفوگر ہے ۔ اگر کسی کو اس بات کے ماننے سے انکار ہو تو وہ ذرا کرۂ زمین کے غلط نظاموں اور حکومتوں کی اصلاح تو کر کے دکھا دے ۔

چھٹے شعر میں عقل و عشق کا موازنہ و مقابلہ کر کے اول الذکر کو چراغِ راہ اور ثانی الذکر کو ایاغ خلوتگاہ کہا گیا ہے ۔

آخری شعر میں علامہ اپنی شاعری کی اہمیت بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں ۔ کہ میرا ہر قطرۂ اشک یعنی ایک ایک شعر میرے دل کا ٹکڑا ہے ۔ تو اسے اپنی انگشتری کا نگینہ بنا لے گا ۔ تو تیرے لئے یہی خاتم۔۔۔خاتم سلیمانی بن جائے گی ۔
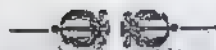
باب نہم

اسیرانِ حریت اور اقبال ، اتحاد کی تلقین

۱۹۳۳ء کا سال کشمیر کی تاریخ میں بڑا اہم سال شمار ہوتا ہے۔ اسی کے دوران ڈوگرہ حکومت نے جموں ، وادی کشمیر اور موجودہ آزاد کشمیر کے اضلاع میر پور مظفر آباد کوٹلی میں سینکڑوں کی تعداد میں مسلم زعماء کو گرفتار کر کے جیلیں بھر دیں اور پھر ان کے خلاف طرح طرح کے جعلی مقدمات کھڑے کر دیئے تاکہ تحریک آزادی کشمیر کامیاب نہ ہو سکے۔

اسیران حریت اور اقبال :

حضرت علامہ ایک طرف اگر برصغیر پاک و ہند کے عظیم قائد حضرت محمد علی جناح کے ساتھ مل کر قیام پاکستان کی جدو جہد میں مسلم قوم کی راہنمائی فرما رہے تھے تو دوسری طرف وہ کشمیر کے حریت پسندوں کی اخلاقی اور قانونی مدد فرما رہے تھے۔ علامہ اگرچہ بتقاضائے عمر و خرابی صحت خود اسیران کشمیر کے مقدمات کی پیروی تو نہ کر سکے لیکن انہوں نے اپنے اثر و رسوخ سے مسلم وکلا کی خدمات حاصل کیں اور ان سے مظلوم کشمیری راہنماؤں پر چلائے جانے والے مقدمات کی پیروی کرائی۔

پٹنہ کے وکیل سید نعیم الحق کے نام علامہ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں :

کشمیر کے مسلمانوں کی امداد و اعانت آپ کا بڑا ہی کرم ہے - عبدالحمید صاحب نے مجھے اطلاع دی ہے کہ آپ نے ذکر کیا تھا کہ پٹنہ کے عبدالعزیز صاحب مسلمانوں کی امداد کو ہر وقت تیار ہوں گے - آپ میری طرف سے ان کی خدمت میں کشمیر کے بےبس مسلمانوں کی امداد کی درخواست کیجئے - مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے گا - آپ کے تار کا انتظار رہے گا(۱۰۲)۔

چنانچہ علامہ نے میاں عبدالحی ایڈووکیٹ ، ملک برکت علی ایڈووکیٹ اور بہار کے نعیم الحق ایڈووکیٹ کو میر پور بھیجا تاکہ وہ سیاسی اسیروں کی رہائی کے لئے پیروی کریں(۱۰۳)۔

اتحاد کی تلقین :

علامہ کشمیری مسلمانوں کے لئے صرف ایک سیاسی پلیٹ فارم کے قائل تھے اور وہ ہمیشہ بیانات و مکاتیب کے ذریعے کشمیریوں کو متحد ہو کر آزادی کی جدو جہد جاری رکھنے کی ترغیب دیتے رہے - ان کو جب معلوم ہوا کہ جموں و کشمیر کے مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد کا فقدان ہو رہا ہے تو قدرتی طور پر ان کو اس سیاسی تفرقہ پر افسوس ہوا اور انہوں نے ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو شیخ عبداللہ کے نام مندرجہ ذیل خط تحریر فرمایا -

جو مختلف جماعتیں سنا ہے کہ بن گئی ہیں اور ان کا باہمی اختلاف آپ کے مقاصد کی تکمیل میں بہت بڑی رکاوٹ ہو گا - ہم آہنگی ہی ایک

ایسی چیز ہے جو تمام سیاسی و تمدنی مشکلات کا علاج ہے ۔ ہندی مسلمانوں کے کام اب تک محض اسی وجہ سے بگڑے رہے کہ یہ قوم ہم آہنگ نہ ہو سکی ۔ اور اس کے افراد اور بالخصوص علما اوروں کے ہاتھوں کھٹ پتلی بنے رہے بلکہ اس وقت ہیں ۔ بہرحال دعا ہے کہ آپ کے ملک کو یہ تجربہ نہ ہو(۱۰۴)۔

کشمیری رہنماؤں کی رہائی اور آزادی کی تحریک کو کامیابی سے چلانے کے لئے علامہ نے تین اہم کام انجام دیئے ۔ وہ کشمیری لیڈروں کو اتحاد و ہم آہنگی قائم رکھنے کی اہمیت پر زور دیتے رہے ۔ اسیران حریت کے مقدمات کی پیروی کی خاطر آپ نے قانون دانوں کی خدمات حاصل کیں ۔ برصغیر کے بعض مخیرین سے مالی امداد کے لئے اپنا ذاتی اثر و رسوخ استعمال کیا ۔

مالی امداد کے لئے آپ حیدر آباد کے نواب بہادر یار جنگ (۱۹۰۵ء --- ۱۹۴۴ء) کو لکھتے ہیں :

مظلومین کشمیر کی امداد کے لئے آپ سے درخواست کرنے کے لئے یہ عریضہ لکھتا ہوں ۔ اس وقت حکومت کی طرف سے ان پر متعدد مقدمات چل رہے ہیں ۔ جس کے اخراجات کی وجہ سے فنڈ کی نہایت ضرورت ہے ۔ --- مجھے یقین ہے کہ (آپ) مسلمانان کشمیر کو امداد کا مستحق تصور کرتے ہیں ۔ یہ طباع اور ذہین قوم ایک مدت سے استبداد و ظلم کا شکار ہے(۱۰۵) ۔

اس خط کا آخری حصہ بالخصوص قابل غور ہے جس میں علامہ نے کشمیریوں کو "طباع و ذہین،، قرار دیا ہے اور ان کی مظلومیت پر گہرے رنج

والم کا اظہار کیا ہے:

ڈوگرہ حکومت سخت گیری کی پالیسی سے باز آتی تھی نہ سرفروشان کشمیر جہد آزادی کے مصائب اٹھانے کے باوجود اپنے نصب العین سے پیچھے ہٹتے تھے ۔ ریاست ایک بہت بڑے بحران سے گزر رہی تھی ۔ چنانچہ ہندوستان کے مسلم اکابرین نے جس میں علامہ کی شخصیت نمایاں تھی مہاراجہ کو مجبور کیا کہ وہ ریاستی مسلمانوں کی شکایات دور کرنے کے لئے ایک کمیشن کا تقرر کرے ۔ چنانچہ ۱۲ نومبر ۱۹۳۱ءکو گلانسی کمیشن کے نام سے ایک تحقیقاتی کمیشن کی تشکیل کی گئی جو چار غیر سرکاری اراکین اور صدر بی ۔ جی گلانسی پر مشتمل تھا ۔ جس نے تحقیقات کے بعد اپریل ۱۹۳۲ء میں اپنی سفارشات پیش کر دیں جس سے بہت حد تک مسلمان مطمئن ہو گئے ۔

اس کمیشن کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے آپ نے جہاں راجہ اور پرجا میں صلح و آشتی کا ماحول نہایت ضروری قرار دیا(۱۰۶) ۔ وہاں آپ نے وزیر اعظم کشمیر مسٹر کالون کو بھی یہ مشورہ دیا کہ وہ حکومت اور عوام میں دوبارہ اعتماد اور اچھے تعلقات پیدا کرنے کے لئے میر پور اور بارہ مولہ میں زیر سماعت فوجداری مقدمات کو واپس لے لیں(۱۰۷)۔

علامہ اقبال کے نزدیک ریاست جموں و کشمیر --- پاکستان کا ایک اہم حصہ اور ضروری حصہ تھا اس لئے وہ کشمیریوں کی مالی و اخلاقی اور قانونی امداد کرنا مسلمانان پنجاب کا فرض سمجھتے رہے ۔ علامہ فرماتے ہیں اہل کشمیر ملت اسلامیہ کا جزو لا ینفک ہیں ۔ ان کی تقدیر کو اپنی تقدیر نہ سمجھنا تمام ملت کو تباہی و بربادی کے حوالے کرنا ہے(۱۰۸)۔

آپ کی وفات کے بعد قائد اعظم نے بھی یہی حکمت عملی اپنائی ۔ چنانچہ قائد اعظم نے ۹ مئی ۱۹۴۴ء کو جموں کے ایک عظیم اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ۔

مسلمان جغرافیائی حدود کے قائل نہیں ۔ اس لئے اسلامی برادری کے نام پر ہندوستان کے مسلمان آپ کی مدد کے لئے کمر بستہ ہیں ۔ اگر آپ پر ظلم ہوا یا آپ سے بد سلوکی کی گئی تو ہم بیکار تماشائی کی حیثیت میں نہیں رہ سکتے ۔ ایسی صورت میں برطانوی ہند کے مسلمان آپ کی خدمت کے لئے حاضر رہیں گے ۔ کیونکہ بحیثیت مسلمان ہم آپ کی مدد کرنے کے لئے پابند ہیں(۱۰۹)۔

۱۹۳۳ء میں علامہ ستاون برس کے ہو چکے تھے ۔ وہ بیمار رہا کرتے اور ضعف و کمزوری اس پر مستزاد ۔ علمی و ادبی اور سیاسی مصروفیات کے باعث ان کے لئے وقت نکالنا مشکل کام تھا ۔ لیکن ان تمام موانع کے باوجود وہ جنگ آزادی کشمیر میں ایک سپاہی کی طرح نہیں ایک سپہ سالار کی حیثیت سے داد شجاعت دیتے رہے ۔

مجھے تو یوں لگتا ہے کہ جس طرح انگریز برطانیہ میں بیٹھ کر برصغیر پر حکم چلاتے رہے اسی طرح علامہ لاہور میں بیٹھ کر آزادی کشمیر کی تحریک کی قیادت کرتے رہے ۔ جموں و کشمیر کے سیاسی رہنما ان کے حضور حاضر ہوتے اور کامیابی کے واسطے مشورے لے کر جب وادی میں قدم رکھتے تو اس روائتی مریض کی طرح سب کچھ بھول جاتے جو طبیب کے مشورے پر گل قند گل قند کا ورد کرتے کرتے عطار کی دوکان پر پہنچتا تو اچانک بھول جاتا کہ طبیب نے اسے کیا چیز بتائی تھی ۔

علامہ نے "ہم آہنگی کو تمام سیاسی و تمدنی مشکلات کا علاج"
بتایا تھا ۔ قائد اعظم نے کشمیر کے مسلمانوں سے درخواست کی تھی
کہ وہ :

ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں(۱۱۰)۔ لیکن افسوس کا مقام ہے
کہ بعض ریاستی لیڈروں نے ان قیمتی مشوروں پر عمل نہ کر کے کشمیری
قوم کو گروہوں میں بانٹ دیا اور ریاست کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ۔

علامہ نے ۱۹۳۲ء میں تحریک آزادی کشمیر میں جو نمایاں حصہ
لیا تھا ۔ اس کی تفاصیل ہم دے چکے ہیں ۔ اس کے بعد آپ صرف پانچ
سال زندہ رہے(۱۱۱) ارزل عمر کے اس حصہ میں بھی جب آدمی لایعلم
بعد علمٍ شیئاً کی تصویر بن جاتا ہے ۔ علامہ اپنی خلد بریں کو کبھی
نہ بھولے ۔ ان پانچ سالوں کے دوران انہوں نے کشمیر اور کشمیر کے
باشندوں کے لئے سترہ نظمیں اور دو فرد اردو میں کہے جو ارمغان حجاز
میں شامل ہیں(۱۱۲)۔ ان اشعار کی کل تعداد آناسی ہے ۔ آئندہ صفحات
میں یہ اشعار درج کر کے ان کی شرح پیش کی جا رہی ہے ۔

باب دہم

ارمغان حجاز

ارمغان حجاز :

ملا زادہ ضیغم لولابی کشمیری کا بیاض :-

وادی کشمیر میں سرینگر اور بارہ مولہ کے درمیان واقع لولاب کا علاقہ بہت مشہور ہے ۔ ملا زادہ ضیغم فرضی نام ہے جس کے معنی ہیں ملا کا بیٹا شیر ۔ علامہ کو کشمیری علماؑ و صوفیاؑ سے گلہ یہ ہے کہ اب منبر و محراب صاحب ہنگامہ نہیں رہے اور اب وادی میں بندۂ مومن کے لئے دین موت بن گیا ہے یا خواب اور میخانہ صوفی کی شراب ناب بے سوز ہو گئی ہے -

علامہ یقین رکھتے تھے کہ وادی کے انہی علماؑ اور صوفیاً میں دلیر و شجاع افراد پیدا ہوں گے جو کشمیر کی آزادی اور اس کی ترقی کے لئے کام کریں گے ۔ بلکہ ایک ایسا ہی فرد علامہ نے تخلیق بھی کر لیا جو ہے تو ملا زادہ لیکن وہ جرأت و شجاعت میں شیر ہے ۔ اس ملا زادہ نے بیاض میں اپنی پسند کے منتخب اشعار نقل کر رکھے ہیں -

علامہ نے کشمیری قوم کے نام موت سے پہلے جو پیغام دیا وہ ان کے انہی آناسی اشعار میں موجود ہے اور ان نظموں میں انہوں نے اس محبت کا ثبوت دیا ہے جو ان کو اس شریف قوم کے ساتھ تھی(۱۱۳)۔

اب ہم ان منظومات کا متن درج کر کے ان کی تشریح کریں گے ۔

(۱)

پانی ترے چشموں کا تڑپتا ہوا سیماب
مرغان سحر تیری فضاؤں میں ہیں بیتاب

اے وادیٔ لولاب

گر صاحب ہنگامہ نہ ہو منبر و محراب
دیں بندۂ مومن کے لئے موت ہے یا خواب

اے وادیٔ لولاب

ہیں ساز پہ موقوف نواہائے جگر سوز
ڈھیلے ہوں اگر تار تو بیکار ہے مضراب

اے وادیٔ لولاب

ملا کی نظر نور فراست سے ہے خالی
بے سوز ہے میخانۂ صوفی کی مئے ناب

اے وادیٔ لولاب

بیدار ہوں دل جس کی فغان سحری سے
اس قوم میں مدت سے وہ درویش ہے نایاب

اے وادیٔ لولاب

تشریح : نظم کے پانچ بند ہیں اور ہر بند میں علامہ نے ایک پیغام دیا ہے ۔ فرماتے ہیں اے وادی لولاب ! تیرے چشموں کے پانی میں وہ

جوش ہے کہ یہ پانی تڑپتا ہوا پارہ نظر آتا ہے۔ اور تیری فضاؤں میں اڑنے والے پرندے بھی بیقرار و بیتاب ہیں ۔ جب قدرتی ماحول کی کیفیت یہ ہو تو پھر وہاں کے باشندوں پر سکوت مرگ کیوں طاری ہے ۔

بند ۲ :

منبر و محراب کے وارث یعنی علماؑ کو باطل ، ناانصافی ، ظلم ، غلامی کے خلاف آواز بلند کرنی چاہئے ۔ اور قوم کی بیداری کے لئے ان کو صاحب ہنگامہ ہونا چاہئے ۔ ان کے دینی منصب کا تقاضا بھی یہی ہے کیونکہ دین حق گوئی ، بیباکی ، اور جہد وکوشش کا نام ہے ۔ اگر منبر و محراب سے حق کی آواز بلند نہ ہو تو پھر وہ دین موت ہے ۔ یا خواب ۔ دین کو تو سر بلندی کا جذبہ اور آزادی کا ولولہ پیدا کرنا چاہئے ۔

بند ۳ :

علامہ علمائے دین اور مشائخ اسلام کو ساز سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ساری نواہائے جگر سوز کا دارومدار اسی ساز پر ہے اور مسلمانوں کی بیداری ترقی اور قوت و اقتدار کا انحصار بھی انہی مذہبی اور روحانی رہنماؤں پر ہے ۔ جس طرح ساز کے ڈھیلے تاروں سے مضراب آواز پیدا نہیں کر سکتی ۔ بعینہ ہمارے خوابیدہ و بد کردار علماؑ اور عشق خدا وندی سے محروم صوفیأ مسلمانوں کی رہنمائی کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔

بند ۴ :

اے وادی لولاب ! افسوس کہ ریاست جموں و کشمیر کے عالموں کی نظر عقل و فراست اور فہم و شعور کے نور سے خالی ہے ۔ رہے صوفیأ مشائخ اور خانقاہوں کے مالک تو وہ کشمیریوں کو جو شراب ناب عطا

کرتے ہیں ۔ اس میں جوش ، سرمستی ، حرارت اور سوز نہیں ہوتا ۔ امت کی اصلاح اور اس میں انقلاب کا جذبہ پیدا کرنے والے یہی دو گروہ ہیں ۔ علماؑ قوم کو علم کی دولت سے نوازتے ہیں اور صوفیاً قوم کی روحانی تربیت کر کے اس میں اعلیٰ اخلاق و دینی اقدار پیدا کرتے ہیں ۔ لیکن جب یہ دونوں گروہ خود ہی فراست اور سوز عشق سے محروم ہو جائیں تو پھر اس قوم کی رہنمائی کون کرے گا ۔

بند ۵ :

علامہ کے نزدیک کشمیریوں کو ان کا کھویا ہوا وقار دلانے اور انہیں مالک تاج و تخت بنانے کے لئے ایک ایسے درویش خدا مست اور مومن خود آگاہ کی ضرورت ہے جس کی فغان سحری و آہ نیم شبی دلوں کو بیدار کر دے ۔ کیونکہ دلوں کی بیداری کے بغیر غلامی کی زنجیروں کو کاٹنا آسان کام نہیں ۔

اس نظم میں علامہ نے علماؑ و مشائخ کو ان کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا ہے اور آزادی کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے وہ اوصاف بیان کر دیئے ہیں جو کشمیری علماؑ و صوفیاً کو اپنانے چاہئیں ۔

(۲)

موت ہے اک سخت تر جس کا غلامی ہے نام
مکروفن خواجگی کاش سمجھتا غلام

شرع ملوکانہ میں جدت احکام دیکھ !
صور کا غوغا حلال ، حشر کی لذت حرام

اے کہ غلامی سے ہے روح تری مضمحل
سینۂ بے سوز میں ڈھونڈ خودی کا مقام

تین شعروں کی اس نظم میں علامہ نے غلامی کی حقیقت بتائی ہے اور اس غلامی سے چھٹکارا پانے کے لئے خودی کا مقام ڈھونڈنے کی نصیحت فرمائی ہے -

۱ - فرماتے ہیں ! طبعی موت کے علاوہ ایک موت اور بھی ہے - جس کا نام غلامی ہے - غلامی میں آدمی بظاہر زندہ اور چلتا پھرتا نظر آتا ہے مگر در حقیقت وہ مردہ ہوتا ہے - اسی مطلب کو علامہ نے بندگی نامہ میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ غلامی سے بدن میں دل مردہ ہو جاتا ہے اور روح بدن کے لئے ایک بوجھ بن جاتی ہے(۱۱۴)- مشکل یہ ہے کہ غلام قوم خواجہ و حکمران کی عیاری کو نہیں سمجھ سکتی - اور ملوکیت ، سرمایہ داری ، جاگیرداری اور خانقاہی نظام کے مکر و فن کا فریب کھا کر اپنی موت کو زندگی ہی سمجھتی چلی جاتی ہے اور آزادی کے لئے جدو جہد نہیں کر سکتی -

۲ - شرع ملوکانہ میں مکر و فریب ، دروغ گوئی ، دغا بازی اور ڈپلومیسی کے احکام و قواعد کی جدت و ندرت دیکھنی چاہئے - سلاطین و ملوک آئے دن تھوڑی بہت اصلاحات و مراعات کے لئے غلام قوم کو زبانی طور پر مطالبات پیش کرنے کا حق تو دے دیتے ہیں لیکن عملاً ان کو آزادی کی جدو جہد میں حصہ نہیں لینے دیتے - کیونکہ ان کی شرع میں حشر کی لذت حرام ہے -

۳ - علامہ اس شعر میں کشمیری مسلمان کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تیری روح سکھوں اور ڈوگروں کی ایک سو انیس سالہ

غلامی سے کمزور و مضمحل ہوگئی ہے(۱۱۵) - اور تیرا سینہ سوز عشق اور آتش تمنا سے خالی ہو گیا ہے - روح کو توانا بنانے اور اس سینۂ بے سوز کو گرمی و حرارت عطا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تو پھر خود شناسی کا مقام تلاش کرلے -

۱ - آج وہ کشمیر ہے محکوم و مجبور و اسیر
کل جسے اہل نظر کہتے تھے ایران صغیر

۲ - سینۂ افلاک سے اٹھتی ہے آہ سوز ناک
مرد حق ہوتا ہے جب مرعوب سلطان و امیر

۳ - کہہ رہا ہے داستاں ، بیدارئ ایام کی
کوہ کے دامن میں وہ غم خانۂ دہقان پیر

۴ - آہ یہ قوم نجیب و چرب دست و تر دماغ
ہے کہاں روز مکافات اے خدائے دیر گیر ؟

یہ نظم کشمیری قوم کا نوحہ ہے - اور اس میں کشمیر پر ڈوگروں کے مسلط کئے ہوئے استحصالی نظاموں کی مذمت کی گئی ہے -

۱ - بد قسمتی اور زوال کی انتہا ملاحظہ ہو کہ آج وہی کشمیر محکوم جابرانہ نظام کے شکنجے میں جکڑا اور غربت اور افلاس کا شکار ہے جسے مسلمانوں کے عہد حکومت میں آزادی ، علوم و فنون ، تہذیب و تمدن اور صنائع کی وجہ سے ایران صغیر کہا جاتا تھا -

۲ - کوئی مسلمان اور حق پرست جب کسی ظالم و جابر ، سلطان ، امیر ، بادشاہ یا والیٔ ریاست سے ڈر کر کلمۂ حق کہنے کی بجائے غلامی اختیار کر لیتا ہے تو اس لالچ ، بزدلی اور کم ہمتی کو دیکھ کر افلاک

کے سینہ سے ایک درد انگیز آہ نکلتی ہے ۔ یعنی آسمان ایسے کم حوصلہ مرد حق پر ماتم کرتا ہے ۔

علامہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ آج اگر کشمیر محکوم و مجبور ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ یہاں کے مسلمان مرعوب ہو کر مہاراجوں کے سامنے جبین نیاز خم کرتے رہے اور وہ ۱۸۱۹ء سے لے کر آج تک کوئی منظم ، مؤثر اور ہمہ گیر تحریک آزادی نہ چلا سکے ۔

۳ ۔ غیروں کی غلام ہو کر کشمیری قوم جس ذلت و غربت سے دو چار ہوئی ۔ اور جس ظلم و ستم کا نشانہ بنی اس کی داستان سنانے کے لئے کوہ کے دامن میں بوڑھے دھقان کا بنا ہوا غم خانہ کافی ہے ۔

۴ ۔ افسوس کہ کشمیری قوم جو نجیب و شریف آریائی اور سامی نسل سے تعلق رکھتی ہے ۔ جو صنعت و حرفت میں اپنا ثانی نہیں رکھتی اور ذہانت و فطانت میں جس کی مثال نہیں ملتی ۔ آج اس کی حالت یہ ہو چکی ہے ۔

مولانا رومی نے کہا تھا

تو مشو مغرور بر حلم خدا دیر گیرد سخت گیرد مر ترا(۱۱۶)

علامہ فرماتے ہیں کہ اے خدائے دیر گیر ! اب تو تیری گرفت کو بہت دیر ہو چکی ۔ کشمیریوں کی ذلت کی انتہا ہو گئی اب تو اس قوم کو غلامی سے نجات دے دے ۔

(۴)

۱ ۔ گرم ہو جاتا ہے جب محکوم قوموں کا لہو

تھرتھراتا ہے جہان چار سو و رنگ و بو

۲ - پاک ہوتا ہے ظن و تخمیں سے انساں کا ضمیر

کرتا ہے ہر راہ کو روشن چراغ آرزو

۳ - وہ پرانے چاک جن کو عقل سی سکتی نہیں

عشق سیتا ہے انہیں بے سوزن و تار رفو

۴ - ضربت پیہم سے ہو جاتا ہے آخر پاش پاش

حاکمیت کا بت سنگیں دل و آئینہ رو

۱ - علامہ قوموں کی نفسیات بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کوئی قوم ہمیشہ کے لئے غلام نہیں رہ سکتی - بلکہ مظالم سے تنگ آ کر محکوم قوم کے خون میں جوش پیدا ہو جاتا ہے اور وہ غلامی کا جوا اتار پھینکنے کے لئے جب میدان عمل میں سربکف ہوکر نکلتی ہے تو پھر ظالم حکمران کانپ کانپ اٹھتے ہیں - پھر کوئی طاقت اس بے سہارا مگر غیرت مند رعیت کا مقابلہ نہیں کر سکتی -

۲ - جب غلام انسانوں کا ضمیر شکوک و بے یقینی سے پاک ہو جاتا ہے اور ان کو آزادی کی منزل پر پہنچنے کا یقین کامل حاصل ہو جاتا ہے تو آرزوئے آزادی و استقلال کا چراغ ان کو کامیابی کی کئی راہیں دکھانے لگتا ہے -

اس شعر میں علامہ کشمیری قوم کو یہ حقیقت سمجھانا چاہتے ہیں کہ ان کو ظن و تخمین اور تشکیک و ریب کی جگہ خدا پر توکل اور اپنی جدو جہد کی کامیابی پر یقین پیدا کرنا چاہئے - کیونکہ بے یقینی تو غلامی سے بدتر ہے -

۳ - قوموں اور ملکوں کے کئی ایسے پیچیدہ اور دیرینہ سیاسی و اقتصادی عقدے ہوتے ہیں جن کو عقل ، گفتگو ، ملاقات اور کانفرنس کے ذریعے حل نہیں کیا جا سکتا - بلکہ ان کو عشق و جنون اور قربانی و ایثار کی بدولت مادی وسائل نہ ہونے کے باوجود حل کیا جا سکتا ہے - اگر کشمیری قوم مطالبوں ، قرار دادوں ، جلسوں جلوسوں کے ذریعے اپنے وطن کو آزاد نہیں کرا سکی تو اسے بجائے مایوس ہونے کے عشق و جنون کا سہارا لینا چاہئے - لاکھ سر بہ حبیب حکیم بعض مشکلوں کو حل نہیں کر سکتے جن کو ایک 'سربکف کلیم' حل کر دیتا ہے -

۴ - کشمیریوں کو حصول آزادی کے لئے سعی مسلسل اور ضربت پیہم سے کام لینا ہو گا - غلامی سے رہائی کے لئے قوموں کو صدیوں تک طویل جنگ لڑنا پڑی ہے مگر آخر کار یہی ضربت پیہم حاکمیت و بادشاہت کے سنگین دل اور آئینہ رو بت کو پاش پاش کر کے قوم کو عروس آزادی سے ہم کنار کر دیتی ہے -

(۵)

۱ - دراج کی پرواز میں ہے شوکت شاہیں
حیرت میں ہے صیاد یہ شاہیں ہے کہ دراج

۲ - ہر قوم کے افکار میں پیدا ہے تلاطم
مشرق میں ہے فردائے قیامت کی نمود آج

۳ - فطرت کے تقاضوں سے ہوا حشر پہ مجبور
وہ مردہ کہ تھا بانگ سرافیل کا محتاج

۱ - تین شعروں کی اس نظم میں جو ۱۹۳۷ء میں کہی گئی علامہ نے اقوام ایشیاء کی بیداری اور حیرت انگیز سیاسی نہضت کا حال بیان کیا ہے - انہوں نے اس نظم میں سر زمین جموں و کشمیر کے محکوموں کو یہ مژدہ بھی سنایا ہے کہ جس طرح ایشیاء کی چھوٹی بڑی قومیں اپنے حقوق کے حصول کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی ہیں اسی طرح کشمیری قوم جب میدان میں نکلے گی تو اسے بھی یقیناً کامیابی حاصل ہو گی -

علامہ نظم کے پہلے شعر میں کشمیریوں کی جرأت و ہمت اور بہادری و دلیری کی تعریف کرتے ہیں کہ اب کشمیری قوم میں جو تیتر کی طرح کمزور تھی عقاب کی سی شوکت پیدا ہو گئی ہے - یہ قوم اس طرح دلیری سے لڑ رہی ہے کہ خود حکمران ٹولہ محو حیرت ہو گیا ہے کہ یہ وہی کچلی ہوئی نیم جان قوم ہے یا کوئی اور قوم - دراج علامت ہے کشمیریوں سے جن کو مستبد نظاموں نے کمزور، مایوس اور ناکارہ بنا کر رکھ دیا تھا - شاہین آزاد و مختار اور دلیر و شجاع قوم کی علامت ہے -

آج دنیا کی تمام قوموں کے افکار میں عجیب سی ہلچل پیدا ہو گئی ہے - ہر قوم پرانے نظام پرانی اقدار اور غلامانہ خیالات سے بیزار ہے - اگر غور کیا جائے تو مشرقی ممالک میں تو سچ مچ قیامت برپا ہو رہی ہے - غلامی و ذلت کی قبروں میں گڑی ہوئی قومیں آہستہ آہستہ زندہ ہو رہی ہیں -

۳ - علامہ یہاں ایک دقیق نکتہ بتا رہے ہیں کہ دنیا کی کوئی قوم ہمیشہ حکمران نہیں رہ سکتی اور نہ ہی کوئی قوم ہمیشہ غلام رہتی ہے - ہر قوم کے عروج اور اس کے زوال کا وقت متعین ہوتا ہے - جب

کوئی قوم فکری ، عملی ، دینی ، علمی اعتبار سے مر چکتی ہے تو فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ قوم خاص تاریخی عوامل اور زمانی اسباب کے تحت دوبارہ جی اٹھے اور دنیا پر اپنا اثر چھوڑے۔ یہی حال مشرق اقوام کا بھی ہے ۔ یہ قومیں تو اتنی مردہ تھیں کہ ان کو صور اسرافیل کی آواز ہی زندہ کر سکتی تھی لیکن فطرت کے تقاضا کے تحت یہ بھی حشر پر مجبور ہو گئی ہیں ۔

ریاست جموں و کشمیر بھی مشرق کا ایک حصہ ہے لہٰذا جہاں وہ زندہ ہو رہا ہے وہاں اس ریاست کے باشندے بھی فکر و عمل ، قلب و نظر کے لحاظ سے زندہ ہو جائیں گے ۔

(٦)

۱ ۔ رندوں کو بھی معلوم ہیں صوفی کے کمالات
ہر چند کہ مشہور نہیں اُن کے کرامات

۲ ۔ خود گیری و خود داری و گلبانگ اناالحق
آزاد ہو سالک تو یہ ہیں اس کے مقامات

۳ ۔ محکوم ہو سالک تو یہی اس کا ہمہ اوست
خود مردہ و خود مرقد و خود مرگ مفاجات

۱ ۔ برصغیر اور کشمیر کے صوفیوں کے کمالات سے یہاں کے رند بھی بخوبی آگاہ ہیں ۔ یہ رند اگرچہ کسی کرامت و اعجاز کے مدعی نہیں اور نہ ہی ان کی کوئی کرامت مشہور ہوئی ۔ لیکن وہ اتنا ضرور جانتے ہیں کہ اب صوفی سب سے زیادہ محتاج اور سب سے بڑھ کر بزدل و مطلب

پرست ہو گئے ہیں ۔ بنابریں ان سے کسی قسم کی سیاسی یا روحانی رہنمائی کی امید عبث ہے ۔

۲ - ہمارے سالکین و مشائخ کو اغیار کی غلامی نے بے نیازی و عزت نفس کے اوصاف سے محروم کر دیا ہے ۔ آزاد اور غلام صوفی کے مقامات میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے ۔ ایک سالک اگر آزاد ماحول میں جی رہا ہے تو وہ اپنے ضمیر ، اپنی خودی اور اپنے ایمان کی حفاظت کرے گا ۔ کسی کا محتاج نہیں ہوگا ۔ اس طرح وہ خود گیری و حفظ ذات کے اوصاف اپنے اندر پیدا کر کے حسین بن منصور حلاج کی مانند نعرۂ اناالحق لگائے گا ۔ آزادی فرد کو اعتماد ، عزت نفس ، خود آگاہی اور یقین سے سرفراز کرتی ہے ۔

۳ ۔ اگر سالک و صوفی حریت و آزادی سے محروم ہو کر ایک غلام خطہ میں زندگی بسر کر رہا ہے تو وہ روحانی ترقی نہیں کر سکتا ۔ اس کے مراقبے اور مجاھدے سب بے فائدہ ہیں ۔ ایسے محکوم و غلام صوفی کا سارا ہمہ اوست یہی ہے کہ وہ خود روحانی و اخلاقی اعتبار سے مردہ ہے ۔ وہ خود ہی روح اور انسانیت کی قبر ہے ۔ لہذا ایسا صوفی اپنے مریدوں کے لئے بھی مرگ مفاجات کا باعث ہے ۔ جس طرح ہمہ اوست کی رو سے شہود شاہد اور مشہود تینوں ایک ہیں ۔ اسی طرح غلامی میں غلام ہی مرتا ہے اور وہ خود ہی اپنی موت کا سبب ہوتا ہے اور خود ہی اپنی قبر بن جاتا ہے(۱۱۷)۔

ان اشعار میں علامہ ایک طرف ریاست کے مال مست صوفیوں کو لتاڑتے ہیں تو دوسری طرف ریاستی مسلمانوں کو بھی ان مردہ صوفیوں سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ ڈوگرہ حکومت کے

استحکام کے لئے جہاں چوکیدار ، نمبردار ، ذیلدار اور جاگیردار پوری وفاداری کے ساتھ دن رات کام کرتے رہے وہاں ہمارے صوفیاً نے بھی قوم کو تحت‌الثریٰ تک پہنچانے میں اہم رول ادا کیا ہے ۔ جاگیردار اور صوفی ڈوگرہ نظام استحصال کے اہم کل پرزے تھے ۔

(۷)

۱ ۔ نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری
کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ دل گیری

۲ ۔ ترے دین و ادب سے آ رہی ہے بوئے رہبانی
یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالم پیری

۳ ۔ شیاطین ملوکیت کی آنکھوں میں ہے وہ جادو
کہ خود نخچیر کے دل میں ہو پیدا ذوق نخچیری

۴ ۔ چہ بے پروا گذشتند از نوائے صبح گاہ من
کہ برد آن شور و مستی از سیہ چشمان کشمیری

۱ ۔ اس نظم میں بھی مایوس و دل گیر فقر کی مذمت کی گئی ہے۔ اور کشمیری قوم سے یہ کہا گیا ہے کہ وہ خانقاہی نظام کو یکسر ترک کر کے غلامی کا خاتمہ کر دیں ۔ علامہ فرماتے ہیں کہ اے کشمیری مسلمان ! اب مراقبوں کا زمانہ گیا ۔ یہ دور داستان کربلا کو دھرانے اور ایک غلط حکومت کو مٹانے کے لئے میدان عمل میں نکل آنے کا ہے ۔ ریاست کے روحانی بزرگوں کی خانقاہوں میں اب اندوہ و دل گیری ، نا امیدی ، افسردگی اور بے عملی کے سوا رکھا ہی کیا ہے ۔ اب تمہارا مقام خانقاہ نہیں صف جنگاہ ہے ۔

۲ - اے کشمیری مسلمان ! ترے مدارس میں آج کل جو دین پڑھایا جاتا ہے اور تو دین کے جن عقائد و اعمال پر یقین رکھتا ہے ان سے اب رھبانیت ، دنیا سے بیزاری اور خویش دشمنی کی بو آ رہی ہے - تجھے اگر آزاد ہونا اور پھر زندہ قوموں کی طرح ترقی کرنا ہے تو تجھے بدلنا ہو گا - ورنہ تو مٹ جائے گا - کیونکہ مرنے والی امتوں کا بڑھاپا یہی ہوتا ہے کہ وہ زندگی سے نفرت کرنے لگتی ہیں اور مایوس ہو کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہوتی ہیں -

۳ - ملوکیت کے علم بردار اور جمہوریت کے دشمن کشمیری رعایا کو ہمیشہ کے لئے غلام بنانے کی نت نئی تدابیر تلاش کرتے ہیں - یہ شیاطین اپنے برے مقاصد اور منحوس عزائم کو پورا کرنے کے لئے ایسے ایسے دل فریب حربے استعمال کرتے ہیں کہ خود رعایا بھی دھوکہ کھا جاتی ہے اور ان ستم کاروں کو اپنا وفادار سمجھنے لگتی ہے - کشمیریوں کو اس فریب میں نہیں آنا چاہئے ورنہ یہ ذوق نخچیری زنجیر ملوکیت کو ان کے بدن میں پیوست تر کر دے گا -

۴ - وہ میری صبح کی نوا (شاعری) سے کتنی بے رخی کے ساتھ گذر گئے - سیاہ چشم (حسین) کشمیریوں کا جوش و خروش کس نے چھین لیا ہے - علامہ کشمیری قوم پر اظہار افسوس کرتے ہیں کہ اس نے میری انقلاب آفریں اور حیات بخش شاعری پر توجہ نہیں دی - کشمیری اگر میرے پیغام پر کان دھرتے اور جدو جہد کرتے تو ان کی آج یہ حالت نہ ہوتی - 'سیہ چشمان کشمیری، حافظ شیرازی کی ترکیب ہے - حافظ نے سیہ چشمان کشمیر اور لعبتان وادی جنت نظیر کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ترکان سمرقندی و سیہ چشمان کشمیری حافظ شیراز کے شعر کو ترنم سے پڑھتے اور اس پر رقص کرتے ہیں(۱۱۸)-

علامہ کو اپنی قوم سے شکایت یہ ہے کہ وہ اتنی با ذوق و زندہ دل ہوتے ہوئے بھی میری انقلابی شاعری سے فائدہ نہ اٹھا سکی ۔ دوسرے مصرعے میں انہوں نے خود ہی اس شکایت کا جواب دے دیا ہے کہ 'شور و مستی، غلامی نے اس قوم سے چھین لی ہے ۔

(۸)

۱ - سمجھا لہو کی بوند اگر تو اسے تو خیر
دل آدمی کا ہے فقط اک جذبۂ بلند

۲ - گردش مہ و ستارہ کی ہے ناگوار اسے
دل آپ اپنے شام و سحر کا ہے نقشبند

۳ - جس خاک کے ضمیر میں ہے آتشِ چنار
ممکن نہیں کہ سرد ہو وہ خاکِ ارجمند

۱ - پہلے دو شعروں میں علامہ نے کشمیریوں کو دل ماہیت اور قدر و قیمت سے آگاہ کیا ہے ۔ دل لہو کی بوند اور گوشت کا لوتھڑا نہیں ۔ دل فقط جذبۂ بلند ، عزم مصمم ، شجاعت اور غیرت کا نام ہے ۔ اگر کسی آدمی میں یہ اوصاف موجود ہیں تو اس کا دل زندہ ہے ورنہ وہ چلتا پھرتا مردہ ہے ۔

۲ - دل لیل و نہار کے ظہور اور گردش مہر و ماہ کے تابع نہیں ۔ دل اپنی دنیا اور اپنے شام و سحر آپ پیدا کرتا ہے ۔ دل پر گردش افلاک کا کوئی اثر نہیں ہوتا ۔ وہ موافق حالات اور نا سازگار ماحول کو اپنی مرضی کے مطابق بنا لیتا ہے ۔ کشمیریوں کے دل میں اگر جذبۂ بلند اور شوقِ

حکمرانی پیدا ہو جائے تو وہ آزادیٔ امن اور خوشحالی کے روز و شب پیدا کر سکتے ہیں -

۳ - کسی ملک کے جغرافیائی حالات کا اثر اس ملک کے باشندوں پر نا قابل انکار ہے - وادیٔ کشمیر کا خاص درخت چنار ہے - چنار کی لکڑی میں روغن ہوتا ہے اس لئے وہ بہت جلد جل اٹھتی ہے - پھر اس کی لپیٹ بھی بے حد تیز ہوتی ہے - علامہ نے چنار کو کشمیریوں کے جوش و جذبہ ، ولولہ ، ہمت ، کی علامت ٹھرا کر یہ مطلب بیان کیا ہے کہ کشمیر کی خاک ارجمند جو بکثرت چنار اگتی ہے کبھی سرد نہیں ہو سکتی - اس آتشِ آزادی کو کوئی فریب ، شیاطین ملوکیت کی آنکھ کا کوئی جادو ، فقرِ خانقاہی کی کوئی دلگیری ٹھنڈا نہیں کر سکتی -

(۹)

۱ - کھلا جب چمن میں کتب خانۂ گل
نہ کام آیا ملا کو علمِ کتابی

۲ - متانت شکن تھی ہوائے بہاراں
غزل خواں ہوا پیرکِ اندرابی

۳ - کہا لالۂ آتشیں پیرہن نے
کہ اسرار جاں کی ہوں میں بے حجابی

۴ - سمجھتا ہے جو موت خواب لحد کو
نہاں اس کی تعمیر میں ہے خرابی

۵ - نہیں زندگی سلسلہ روز و شب کا
نہیں زندگی مستی و نیم خوابی

۶ - حیات است درآتش خود طپیدن
خوش آن دم کہ ایں نکتہ را بازیابی

۷ - اگر ز آتش دل شرارے بگیری
تواں کرد زیر فلک آفتابی

۱ - اس شعر میں مطالعۂ کتاب اور مشاہدہ فطرت کا فرق بتا کر یہ حقیقت واضح کر دی گئی ہے کہ ملا موسم کی تبدیلی اور زندگی کے تغیر سے بے نیاز ہو کر خشک کتابوں کے مطالعہ میں محو رہتا ہے ۔ جب موسم بہار آتا ہے تو وہ اس سے نہ حظ اٹھا سکتا ہے ۔ اور نہ ہی خیالات میں وسعت اور دل میں جذب و سرور کی کیفیت پیدا کر سکتا ہے ۔ کتب خانۂ گل کھلنے سے مراد حالات کی تبدیلی اور عوام کی بیداری بھی ہو سکتی ہے ۔ علامہ کو افسوس یہ ہے کہ کشمیر کے علمأ تاریخ انقلاب اور علم سیاسیات سے نا بلد ہونے کے باعث اپنی قوم کی رہنمائی نہیں کر سکتے ۔

۲ - کشمیر کا دوسرا با اثر طبقہ جس سے علامہ کو شکائت رہی وہ صوفیأ اور پیروں کا طبقہ ہے ۔ پہلے شعر میں ملاؤں کی بے چارگی کا ذکر ہے ۔ اور اس شعر میں پیران اندراب کی تعریف کی گئی ہے کہ باد بہاری ان کے حق میں متانت شکن ثابت ہوئی اور وہ آخر کار جوش بہار میں غزل خوانی کرنے لگے ۔

اندراب وادی کشمیر میں مشہور علاقہ ہے اور اس علاقے کے پیر مشہور ہیں ۔ پیرک کا لفظ تصغیر و تحقیر کے لئے نہیں بلکہ تحبیب کے لئے استعمال ہوا ہے ۔ پیرک اندرابی سے کوئی خاص فرد مقصود نہیں ۔

مراد وادی کے وہ پیر ہیں جنھوں نے بدلتے ہوئے حالات کو سمجھا اور ڈوگرہ بربریت کے خلاف آوازِ حق بلند کی -

۳ - فصل بہار میں آتشیں پیرہن لالہ زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ میں اسرار جاں اور رمز حیات کی بے حجابی کا نام ہوں - یعنی زندگی نمو اور ارتقاً ہے یہ ارتقاً مقصد کے ساتھ لگن اور دل میں عشق پیدا کرنے سے حاصل ہوتا ہے کشمیری مسلمان اگر عشق کو اپنا رہنما بنالیں تو وہ غلامی و مظلومی کی بیڑیوں کو توڑ سکتے ہیں -

۴ - جو آدمی قبر کو زندگی کا خاتمہ سمجھتا ہو اور بقائے روح کا معتقد نہ ہو وہ نہ تو پائدار انسانی معاشرہ تعمیر کر سکتا ہے اور نہ ہی زندہ تمدن کی بنیاد رکھ سکتا ہے - مادہ پرست اور منکر خدا قوم کی تعمیر میں بھی خرابی کی صورت مضمر ہوتی ہے -

ع مری تعمیر میں مضمر ہے صورت اک خرابی کی

۵ - زندگی روز و شب کے سلسلے اور عناصر میں ظہور ترتیب کا نام نہیں - بلکہ یہ تو ایک ابدی اور تسلسل پذیر حقیقت ہے - زندگی ہوشیاری عمل ، بیداری اور سعی پیہم کا دوسرا نام ہے - مستی ، غفلت ، نیم خوابی، بےعملی اور دنیا سے لا تعلقی زندگی نہیں موت ہے -

٦ - زندگی نام ہے اپنی آگ میں جلنے اور سوز دروں میں گرم و بیقرار رہنے کا - مبارک ہے وہ وقت جب اے کشمیری مسلمان ! تو اس نکتہ کو سمجھ لے گا - کیونکہ اسی نکتہ کے ادراک میں تیری ابدیت کا راز پوشیدہ ہے -

۷ - اے کشمیری مسلمان ! تو اگر اپنے دل میں محبت ، عشق ، اتحاد ، اور نصب العین کی چنگاری روشن کرلے تو تو آفتاب کی مانند

غلامی ، لا دینی ، شرک ، اور مظلومی کی دنیا کو روشن و تابناک بنا لے گا ۔

۱ ۔ آزاد کی رگ سخت ہے مانند رگ سنگ
محکوم کی رگ نرم ہے مانند رگ تاک

۲ ۔ محکوم کا دل مردہ و افسردہ و نومید
آزاد کا دل زندہ و پر سوز و طربناک

۳ ۔ آزاد کی دولت دل روشن ، نفس گرم
محکوم کا سرمایہ فقط دیدۂ نمناک

۴ ۔ محکوم ہے بیگانۂ اخلاص و مروت
ہر چند کہ منطق کی دلیلوں میں ہے چالاک

۵ ۔ ممکن نہیں محکوم ہو آزاد کا ہمدوش
وہ بندۂ افلاک ہے یہ خواجۂ افلاک

۱ ۔ علامہ نے اس نظم میں آزاد اور محکوم کا موازنہ کرتے ہوئے اول الذکر کے محاسن اور ثانی الذکر کے مصائب گنوائے ہیں ۔

صلابت ، زندہ دلی ، اور گرمی نفس مرد حر کی خصوصیت ہیں ضعف و نرمی ، افسردگی و نومیدی ، بے وفائی و نا مروتی محکوم کے اوصاف نا ستودہ ۔

آزاد آدمی پتھر کی مانند سخت ہوتا ہے ۔ اسے دشمن مغلوب نہیں کر سکتے اس کے برعکس غلام کی خودی ضعیف ، اس کا ارادہ کمزور اور خیال نا پختہ ہوتا ہے ۔ اس کی رگ رگ انگور کی طرح کمزور ہوتی ہے ۔

علامہ کشمیری قوم میں آزاد قوم کے اوصاف پیدا کرنے کے خواہش مند ہیں ۔

۲ ۔ محکوم قوم کا دل مرا ہوا ، افسردہ اور نا امید ہوتا ہے ۔ وہ کسی بڑی تحریک کو چلا نہیں سکتی اور اسے کامیابی کا یقین بھی نہیں ہوتا ۔ لیکن آزاد قوم کا دل زندہ ، مقصد کے ساتھ لگن کی وجہ سے پرسوز اور کامیابی کی امید سے طربناک و مسرور ہوتا ہے ۔

۳ ۔ دل کی روشنی اور نفس کی گرمی آزاد کا سرمایۂ زندگی ہوتا ہے ۔ اس کی شخصیت عزم و ہمت کا پیکر اور جرأت اور شجاعت کی آئینہ دار ہوتی ہے ۔ محکوم کی ساری زندگی رنج و غم ، یاس و حرمان ، ناکامی و نامرادی اور گریہ و ماتم میں بسر ہو جاتی ہے ۔

۴ ۔ محکوم منطق و فلسفہ کے خشک و بے مغز مباحث میں الجھا رہتا ہے ۔ اور اپنی غلامی کے جواز میں بیشمار دلیلیں لاتا ہے ۔ وہ مقاصد و نیات میں مخلص نہیں ہوتا اور اپنے ہم جنسوں کے ساتھ مروت کا برتاؤ بھی نہیں کر سکتا ۔ ان روحانی و اخلاقی خوبیوں کے فقدان کے سبب وہ کوئی ٹھوس عملی قدم نہیں اٹھا سکتا اور نہ ہی اپنے نصب العین میں کامیاب ہو سکتا ہے ۔

۵ ۔ علامہ فرماتے ہیں کہ یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ ایک آزاد اور محکوم کو ہم پایہ قرار دیا جائے ۔ اس لئے کہ دونوں کی زندگی میں زمین و آسمان کا فرق ہے ۔ محکوم عناصر کائنات کا غلام ہوتا ہے اور آزاد کائنات پر حکم فرما ہوتا ہے ۔ آزاد مطاع افلاک ہے اور غلام مطیع افلاک ۔ ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا ۔

۱ - تمام عارف و عامی خودی سے بیگانہ
کوئی بتائے یہ مسجد ہے یا کہ میخانہ

۲ - یہ راز ہم سے چھپایا ہے میر واعظ نے
کہ خود حرم ہے چراغِ حرم کا پروانہ

۳ - طلسمِ بے خبری کافری و دینداری
حدیثِ شیخ و برہمن فسون و افسانہ

۴ - نصیبِ خطہ ہو یا رب وہ بندۂ درویش
کہ جس کے فقر میں انداز ہوں کلیمانہ

۵ - چھپے رہیں گے زمانہ کی آنکھ سے کب تک
گہر ہیں آبِ ولر کے تمام یکدانہ

۱ - اس وقت مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ وہ صوفی و عالم ہوں یا طبقۂ عوام سے تعلق رکھتے ہوں سبھی خودی سے بیگانہ ہو کر بے خبری اور غفلت کی زندگی گزار رہے ہیں - وہ اطاعت خدا وندی کی بجائے غیر اللہ کی اطاعت کر رہے ہیں اور سارا عالم اسلام غلامی میں گرفتار ہو کر میخانہ بن گیا ہے -

۲ - ہمارے واعظوں نے یہ راز ہم سے پوشیدہ رکھا کہ خدا خود اپنے دین کا نگہبان و محافظ ہے اور وہ اس نور کو کبھی بجھنے نہیں دے گا -

۳ - دین آسانی سے سمجھ میں آ جانے والے عقائد اور آسان و قابل عمل تعلیمات کا نام ہے - لیکن افسوس ہے کہ بے خبری ، غفلت ، جہالت

اور حماقت کی وجہ سے ہمارے علماءؒ اور مفتی بات بات پر مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتے ہیں ۔ اگر سوچا جائے تو شیخ و برھمن ــــ دونوں کی تنگ نظری و تعصب کی باتیں فسون و افسانہ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتیں ۔

۴ ۔ علامہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اے خدا ! خطہ کشمیر میں کوئی ایسا بندۂ درویش اور مرد خود آگاہ پیدا کر دے جس کے فقر میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ کا انداز ہو۔ جس طرح حضرت موسیٰ نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو مصریوں کی طویل غلامی سے نجات دلا دی تھی اسی طرح یہ فقرِ اسلام کا پیکر کشمیریوں کو ہندؤں کی غلامی سے نجات دلا دے ۔

۵ ۔ گہر کنایہ ہے کشمیری مسلمانوں سے اور آب ولر کنایہ ہے سر زمین کشمیر سے ۔ علامہ فرماتے ہیں کہ کشمیریوں میں بڑی صلاحیتیں مخفی ہیں ۔ لیکن غیروں کی غلامی نے ان کی ذہانت ، استعداد اور ہنر مندی پر پردہ ڈال رکھا ہے ۔

علامہ اس شعر میں بشارت دیتے ہیں کہ اب کشمیریوں کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑا نہیں جا سکتا ۔ اور کشمیری قوم کی گونا گوں علمی و فنی صلاحیتیں اہل عالم کی نظر سے پوشیدہ نہیں رکھی جا سکتیں ۔ وقت آ گیا ہے کہ زمانہ پر اس نجیب و تر دماغ قوم کا جوہر آشکار ہو ۔

(۱۲)

۱ [illegible] دگرگوں جہاں ان کے زور عمل سے
بڑے معرکے زندہ قوموں نے مارے

۲ - منجم کی تقویم فردا ہے باطل
گرے آسمان سے پرانے ستارے

۳ - ضمیر جہاں اس قدر آتشیں ہے
کہ دریا کی موجوں سے ٹوٹے ستارے

۴ - زمیں کو فراغت نہیں زلزلوں سے
نمایاں ہیں فطرت کے باریک اشارے

۵ - ہمالہ کے چشمے ابلتے ہیں کب تک
خضر سوچتا ہے ولر کے کنارے

۱ - اس نظم میں علامہ کشمیری مسلمانوں کو یہ بات سمجھا رہے ہیں کہ تغیر و تبدیلی اس عالم رنگ و بو کا اٹل قانون فطرت ہے ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں اگر کشمیری آزادی اور ترقی کے آرزو مند ہیں تو انہیں جمود و تعطل کو یکسر ترک کر دینا ہو گا - کیونکہ زندہ قوم اپنے زور عمل سے جہاں کو دگر گوں کر دیتی ہے - کشمیری بھی اسی زور عمل اور طاقت کردار سے جہنم کشمیر کو جنت ارضی میں تبدیل کر سکتے ہیں -

۲ - اے اہل کشمیر ! تم نجومیوں کی باتوں سے دھوکہ مت کھاؤ - اور کل کے بارے میں وہ جو کچھ پیش گوئی کرتے ہیں وہ سب جھوٹ ہے - جن ستاروں کی رفتار کا مطالعہ کر کے وہ اپنی تقویم مرتب کرتے ہیں وہ ستارے تو کبھی کے اجرام فلکی سے خارج ہو چکے ہیں - مطلب یہ ہے کہ تم جاہل ملاؤں اور نقلی صوفیوں کی باتوں پر اعتبار مت کرو کیونکہ جن علوم پر ان کی قابلیت کا دارو مدار تھا - وہ تو مدتوں

سے ساقط عن الاعتبار ہو چکے ہیں ۔ وہ علوم تو بلا مبالغہ تقویم پارینہ بن چکے ہیں ۔ پس ان فرسودہ علوم کی مدد سے یہ لوگ تمہاری رہنمائی کا فرض انجام نہیں دے سکتے(۱۱۹)۔ آسمان علم و معرفت سے پرانے ستارے گر چکے ہیں ۔

۳ ۔ اب جہاں دگر گوں ہو گیا ہے اور ستاروں کی گردش تیز تر ہو گئی ہے ۔ دنیا میں نئے نئے فکری و سیاسی انقلاب برپا ہو رہے ہیں ۔ قومیں ابھر رہی ہیں ۔ غلام ممالک آزاد ہو رہے ہیں ۔ ساری دنیا میں گرمی و حرارت اور تگ و دو کا ایک عالمی دور شروع ہو گیا ہے اور اب تو ضمیر جہاں اس قدر آتشین بن چکا ہے کہ سمندر کی موجوں سے بھی تارے ٹوٹتے نظر آتے ہیں(۱۲۰)۔

ع ۔ محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی ۔

۴ ۔ زمین میں مسلسل تباہ کن زلزلے آ رہے ہیں اور فطرت کے باریک اشارے نمایاں ہو رہے ہیں ۔ خدا نے مری ہوئی اقوام کے قیام اور مٹے ہوئے تمدنوں کے ظہور جدید کا جو وعدہ کیا ہے وہ پورا ہو رہا ہے ۔ ہم قیامت میں ہیں اور امتوں کا حساب لیا جا رہا ہے ۔ زمین کانپ کانپ کر اور اپنے خزانے اگل اگل کر شہادت دے رہی ہے کہ یہ گھڑی محشر کی ہے اور ہم عرصۂ محشر میں ہیں(۱۲۱)۔ اے اہل کشمیر ! تمہارے جی اٹھنے کا دور بھی یہی دور قیامت ہے ۔

۵ ۔ کشمیر کی مشہور جھیل ولر کے کنارے خضر یہی سوچ رہا ہے کہ اس کی لہروں میں کس قدر اضطراب ہے لیکن ہمالہ جس کے حلقے نے وادی کشمیر کو زمردیں نگینہ بنا رکھا ہے ۔ ساکت و جامد کھڑا ہے ۔ ہمالہ کی اس طرف کے گراں خواب چینی تو سنبھلنے لگے ہیں مگر تعجب

ہے کہ کشمیری اب تک محو خواب ہیں ۔ دیکھئے ان کے اندر حصول آزادی کا جذبہ کب پیدا ہو ۔

(۱۳)

۱ ۔ نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا
کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں

۲ ۔ کمال صدق و مروت ہے زندگی ان کی
معاف کرتی ہے فطرت بھی ان کی تقصیریں

۳ ۔ قلندرانہ ادائیں ، سکندرانہ جلال
یہ امتیں ہیں جہاں میں برہنہ شمشیریں

۴ ۔ خودی سے مرد خود آگاہ کا جمال و جلال
کہ یہ کتاب ہے باقی تمام تفسیریں

۵ ۔ شکوہ عید کا منکر نہیں ہوں میں لیکن
قبول حق ہیں فقط مرد حر کی تکبیریں

۶ ۔ حکیم میری نواؤں کا راز کیا جانے
ورائے عقل ہیں اہل جنوں کی تدبیریں

۱ ۔ زندہ قوموں سے علامہ کی مراد وہ قومیں ہیں جو عناصر فطرت کو مسخر کر کے سائنسی ، صنعتی ، اقتصادی ، معاشی ، روحانی اور سیاسی لحاظ سے آگے بڑھ رہی ہیں ۔ عناصر فطرت کی تسخیر کے لئے وہ علوم حاصل کرتی ہیں اور قوانین فطرت کا مطالعہ کرتی ہیں ۔ اس کے بعد وہ ملک کی خوشحالی اور ملت کی آسودگی کے لئے جستجو جدوجہد کرتی اور نئی

حالت کو خوب سے خوب تر بناتی چلی جاتی ہیں ۔ علامہ کا پیغام یہ ہے کہ مسلمان اور خصوصاً کشمیری مسلمان جمود کو ختم کر دیں ۔ علوم کی ترقیات اور سائنسی ایجادات سے فائدہ اٹھا کر اپنے حالات کو بدل ڈالیں ۔

۲ ۔ زندہ قوموں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ زندگی کی صداقتوں کو اپناتی ہیں ۔ ان کے پندار اور ان کے کردار میں کوئی تضاد نہیں ہوتا وہ سچ بولتی اور سچے کام کرتی ہیں ۔ دوسرے کے ساتھ احسان و مروت ان کی ایک اور خصوصیت ہوتی ہے ۔ صدق و مروت سے کام لینے والی قوم اگر کبھی پستی میں گر جاتی ہے یا اغیار کی غلام بن جاتی ہے تو وہ جلد ہی اعلیٰ سیرت کے طفیل ذلت سے ابھر آتی ہے اور خود فطرت چھوٹی موٹی بھول چوک پر ان کی گرفت نہیں کرتی ۔

کشمیری قوم جب بھی قومی سطح پر صدق و مروت کو اپنا لے گی اور کذب و خود غرضی سے کنارہ کش ہو جائے گی رفعت و اوج اس کا مقدر بن جائے گا ۔

۳ ۔ جو امت مال و ثروت کی طالب نہ ہو بلکہ زندگی گزارنے کا اس کا انداز درویشانہ ہو اور حکمرانی کی صلاحیت بھی رکھتی ہو ۔ ایسی امت دنیا میں برہنہ تلوار ہوتی ہے ۔ یعنی وہ محبت و مروت کی علم بردار ہوتی ہے اور عدل و انصاف کی نگہبان ۔ ایسی امت کسی کی غلام نہیں بن سکتی ۔

۴ ۔ کسی فرد یا قوم میں قلندرانہ ادا اور سکندرانہ جلال اس وقت پیدا ہو سکتا ہے ۔ جب وہ فرد یا قوم اپنی خودی کی تکمیل کر لے ۔ خودی کتاب کا متن ہے اور اعلیٰ انسانی اوصاف اور شاہانہ خوبیاں اس

متن کی تشریح و تفسیر خودی کی تکمیل و تربیت کے بغیر --- یعنی قوانین فطرت کے علم اور عناصر فطرت کی تسخیر کے بغیر کوئی قوم سلطنت تو کیا کرے گی عزت کی زندگی بھی بسر نہیں کر سکتی ۔

۵ ۔ میں عید کی شان و شکوہ اور مسلمانوں کے اس تہوار کی اہمیت کا منکر نہیں ہوں ۔ لیکن خدا کی درگاہ میں قبول فقط آزاد مردوں کی تکبیریں ہوتی ہیں ۔ ایسے آزاد مرد جو اپنی خواہشات نفسانی سے بھی آزاد ہوں اور اغیار کی اطاعت و فرماں برداری سے بھی ۔

٦ ۔ فلسفی ، عقل پرست ، اندھا مقلد ، مال و زر کا غلام نہ میری شاعری کو سمجھ سکتا ہے نہ میرے انقلاب آفریں پیغام کو ۔ میں ترقی کے لئے ایمان ، عشق ، اخلاق ، روحانیت کو شرط اول قرار دیتا ہوں ۔ وہ پستی و ذلت کا علاج مال و دولت ، مادہ پرستی ، اجنبی آقاؤں کی اطاعت ، اخلاقی اقدار سے بیزاری اور منفعت عاجل میں ڈھونڈتا ہے ۔

علامہ ایسے عقل مندوں کو معذور جانتے ہیں کیونکہ اہل جنوں کی فکر ، ان کا مزاج ، ان کا معیار ، ان کا طریق کار اور ان کی تدبیر اہل عقل کے فہم سے ماوراٗ ہوتی ہے ۔ حکیم اور کلیم دونوں اسی دنیا میں رہتے ہیں مگر :

شاہیں کا جہاں اور ہے کرگس کا جہاں اور

(۱۴۶)

... چوں کافرانہ قمار حیات می بازی

کہ با زمانہ بسازی بخود نمی سازی

مدرسہ ہائے حرم نمی بینم

دل جنید و نگاہ غزالی و رازی

۳ - بحکم مفتی اعظم کہ فطرت ازلیست

صعوہ حرام است کار شہبازی

۴ - ہان فقیہ ازل گفت جرہ شاہیں را

باسمان گری با زمیں نہ پردازی

۵ - منم کہ توبہ نہ کردم زفاش گوئی ہا

زبیم این کہ بسلطاں کنند غمازی

۶ - بدست ما نہ سمر قند و نے بخارا ایست

دعا بگو ز فقیراں بہ ترک شیرازی

۱ - تو زندگی کا جوا کتنی بے توجہی اور بد دلی سے کھیل رہا ہے ساتھ تو تباہ کر رہا ہے لیکن تجھے خود اپنے ساتھ تباہ

تشریح : علامہ کا مدعا یہ ہے کہ زندگی بڑی قیمتی چیز ہے - اسے غفلت ، نادانی ، سادگی میں کھو نہیں دینا چاہئے - تو اگر دوسروں کی منشا اور نظریات کے مطابق زندگی بسر کر لے تو اسے بازی ہارنے سے تعبیر کیا جائے گا - تجھے تو اپنے عقائد و نظریات ، اپنے دین و سیاست ، اپنی تہذیب و ثقافت کے مطابق زندگی بسر کرنی چاہئے -

علامہ کشمیری مسلمان سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ یہ طریق زندگی جو تو نے اپنا رکھا ہے اسلامی نہیں کافرانہ ہے - آپ اس غلام قوم

کو 'با زمانہ ستیز' کی تلقین کرتے ہیں اور نا موافق حالات کو موافق بنانے کی راہ دکھاتے - 'برہم زن' کا اصول سکھاتے ہیں -

۲ - مسلمانوں کے علمی و روحانی زوال کا ماتم کرتے ہوئے علامہ کہتے ہیں کہ کشمیر برصغیر اور دوسرے اسلامی ممالک کے دینی مدارس رجال پیدا کرنے سے بانجھ ہو چکے ہیں - اب یہ نہ جنید بغدادیؒ جیسا عارف و صوفی پیدا کرتے ہیں اور نہ امام غزالی (وفات : ۱۱۱۱ء) اور امام فخر الدین رازی کی مانند علمائے حکمت و فلسفہ -

۳ - صعوہ (چڑیا) کنایہ ہے غلام محکوم ان پڑھ اور بے عمل قوم سے اور شاہباز کنایہ ہے آزاد ، ترقی یافتہ ، فعال اور انسانی اوصاف کی حامل قوم سے - فرماتے ہیں فطرت کے ازلی قوانین اور طبیعت کے اصول مفتی اعظم کا درجہ رکھتے ہیں - جس طرح فقہ اسلامی کا عالم بعض کاموں کے جواز اور بعض کے عدم جواز کا فتوی دیتا ہے - اسی طرح فطرت کا یہی مفتی اعظم فتوی صادر کرتا ہے کہ چڑیا شاہباز جیسے کام نہیں کر سکتی اور ایک غلام و محکوم ملت آزاد و فعال ملت کے کارنامے انجام نہیں دے سکتی - قانون فطرت یہی ہے کہ 'کار شاہبازی' کے لئے چڑیا کو شاہباز بننا پڑے گا -

۴ - فطرت کے اسی فقیہ و مفتی نے شاہین کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ آسمان کی فضاؤں میں اڑنے والے پرندوں کا شکار کر کے گذر اوقات کرے زمین پر گری پڑی چیزوں کی طرف مائل ہو کر اپنی پرواز میں کوتاہی نہ آنے دے -

نوٹ : یہاں شاہین مسلمان سے آسمان دین ، روحانیت ، اخلاق سے اور زمین مادیت ، انکار خدا اور حیوانی زندگی سے کنایہ ہے -

۵ - سچائی ، حق گوئی ، اور بیباکی حق پرست انسان کے اوصاف ہیں - اللہ کے شیروں کو روباہی وحیلہ گیری سے کیا تعلق اور خوشامد و تملق سے کیا نسبت - علامہ فرماتے ہیں - وہ اور ہوں گے جنھوں نے انگریز اور اس کے لے پالکوں کے خلاف سچ کہنے سے توبہ کی ہو گی - میں فقیہ مصلحت بیں نہیں کہ حقائیق کو برملا کہنے سے باز رہوں - میں ایسا آدمی نہیں جو اس خوف سے حق کہنا چھوڑ دوں کہ مبادا کوئی چغل خور حکومت تک میری شکایت پہنچا دے -

٦ - ہمارے ہاتھ میں نہ سمر قند ہے نہ بخارا - ہم فقیروں کی طرف سے اس ترک شیرازی کو دعا پہنچا دو -

اس شعر کا مطلب حافظ شیرازی کے اس شعر سے لیا گیا ہے -

اگر آن ترک شیرازی بدست آرد دل مارا

بخال ہندویش بخشم سمر قند و بخارا را(۱۲۴)

(اگر وہ محبوب شیرازی مجھ پر مہربان ہو جائے تو میں اس کے کالے خال (تل) کے بدلے سمر قند و بخارا مفت میں دے دوں گا -)

علامہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ہم نہ سمرقند کے مالک ہیں اور نہ بخارا کے فرماں رواں تا کہ یہ علاقے ہم ترک شیرازی کی نذر کریں - ہم فقیر ہیں اس لئے ہم اپنے ترک شیرازی کے حق میں فقط دعا کر سکتے ہیں - یوسف سلیم چشتی کی رائے یہ ہے کہ حافظ کا محبوب فرد ہے - اقبال کا محبوب اس کی قوم(۱۲۵)-

۱ - ضمیرِ مغرب ہے تاجرانہ، ضمیرِ مشرق ہے راہبانہ
وہاں دگر گوں ہے لخطہ لخطہ یہاں بدلتا نہیں زمانہ

۲ - کنارِ دریا خضر نے مجھ سے کہا بانداز محرمانہ
سکندری ہو قلندری ہو یہ سب طریقے ہیں ساحرانہ

۳ - حریف اپنا سمجھ رہے ہیں مجھے خدایان خانقاہی
انہیں یہ ڈر ہے کہ میرے نالوں سے شق نہ ہوسنگ آستانہ

۴ - غلام قوموں کے علم و عرفاں کی ہے یہی رمز آشکارا
زمیں اگر تنگ ہے تو کیا ہے فضائے گردوں ہے بے کرانہ

۵ - خبر نہیں کیا ہے نام اس کا خدا فریبی کہ خود فریبی
عمل سے غافل ہوا مسلماں بنا کے تقدیر کا بہانہ

۶ - میری اسیری پہ شاخ گل نے یہ کہہ کے صیاد کو رلایا
کہ ایسے پر سوز نغمہ خواں کا گراں نہ تھا مجھ پہ آشیانہ

۱ - علامہ کہتے ہیں اہل مغرب اور اہل مشرق کا آپس میں سوچ افتاد طبع، ضمیر، طرز عمل میں بہت بڑا اختلاف ہے۔ مغربی اقوام کی ذہنیت تاجرانہ ہے۔ وہ روز و شب دولت و اقتدار کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ مشرق اقوام ترک دنیا کر کے زندگی سے فرار حاصل کر چکی ہیں۔ لہٰذا نتیجہ ظاہر ہے۔ وہ اقوام لحظہ بہ لحظہ آگے بڑھ رہی ہیں اور یہ ممالک لمحہ بہ لمحہ پستی و غربت میں گر رہے ہیں۔

۲ ۔ فرماتے ہیں مادہ پرست کی تجارت ہو یا دین دار کی رھبانیت۔۔۔ دونوں افراط و تفریط کی راہیں ہیں ۔ دین و روحانیت کے بغیر مادی دولت سامان ہلاکت ہے اور مال و دولت کے بغیر رہبانیت پیغام موت ۔ سمندر کے کنارے خضر نے مجھے محرمانہ انداز میں یہ راز سمجھایا کہ سکندری (ملوکیت) ہو یا قلندری (رہبانیت) یہ سارے طریقے غلط اور ساحرانہ ہیں ۔ ملوکیت کا مقصد زمین میں فساد ہے اور رہبانیت کا نتیجہ افلاس ، عاجزی ، مسکینی اور غلامی ۔

۳ ۔ خانقاہوں کے نا اہل پیر اور درگاہوں کے استخواں فروش سجادہ نشین مجھے اپنا دشمن سمجھ رہے ہیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں ان کے مریدوں کو اسلام کی صحیح تعلیمات سے روشناس کرا رہا ہوں ۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ پیر پرستی نذر و نیاز ، اور مراقبوں سے زیادہ خود شناسی ، اعمال صالحہ ، جدوجہد ، اتفاق و اتحاد ، اور محنت و مشقت کی ضرورت ہے ۔ ان ناخلف خدایان خانقاہی کو خطرہ یہ ہے کہ کہیں میری شاعری اور تبلیغ سے ان کا خانقاہی نظام اور استحصالی ادارہ ختم نہ ہوجائے ۔

۴ ۔ غلام قوموں کی نفسیات یہ ہے کہ علم و تصوف و عرفان بھی انہیں حصول آزادی اور قوت و اقتدار پر آمادہ نہیں کرتا ۔ ایسی محکوم قومیں یہ کہہ کر دل کو تسلی دے لیتی ہیں کہ دنیا اور دنیا کی عزت و اقتدار فانی اور بے کار چیز ہے ۔ جنت تو آخر ہماری میراث ہے ۔ غلام لوگ نقد کو چھوڑ کر نسیہ کی امید میں زندگی ضائع کر دیتے ہیں ۔

۵ ۔ معلوم نہیں مسلمان خدا کو فریب دینا چاہتا ہے یا اپنے آپ کو ۔ تقدیر کو بہانہ بنا کر وہ عمل سے غافل ہو گیا ہے ملوکیتؔ ،

ملائیت ، اور تصوف نے مسلمان کو تقدیر کا یہ غلط مفہوم سمجھایا کہ جیسے برے حالات پیدا ہوں اور جس طرح کا غلط نظام حکومت ان پر نافذ ہو یہ سب خدا کی طرف سے ہے ۔ انہیں چاہئے کہ وہ خاموشی سے سب کچھ برداشت کرتے چلے جائیں ۔

اے کشتۂ سلطانی و ملائی و پیری

جب تک مسلمان اس تثلیث کا پیرو رہے گا اس وقت تک وہ آزادی و آزاد روی سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا ۔

۶ ۔ اس شعر میں میری سے مراد مسلمان قوم ، شاخ گل سے مراد دنیا ، صیاد سے مراد محکوم بنانے والی قوم ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ بلاد اسلامیہ کو انگریزوں اور فرانسیسیوں نے اور کشمیر کو ڈوگروں نے اپنا غلام بنا لیا ۔ جب یہ ممالک دین اور روحانیت سے محروم ہو گئے تو خود ان ستم کاروں کو احساس ہوا کہ اسلامی تہذیب کو مٹا کر انہوں نے کوئی بڑا کارنامہ انجام نہیں دیا ۔

(۱۶)

۱ ۔ حاجت نہیں اے خطۂ گل شرح و بیاں کی
تصویر ہمارے دل پر خوں کی ہے لالہ

۲ ۔ تقدیر ہے اک نام مکافات عمل کا
دیتے ہیں یہ پیغام خدایان ہمالہ

۳ ۔ سرما کی ہواؤں میں ہے عریاں بدن اس کا
دیتا ہے ہنر جس کا امیروں کو دوشالہ

۴ - [illegible] امید نہ رکھ دولت دنیا سے وفا کی [illegible]

رم اس کی طبیعت میں ہے مانند غزالہ

۱ - اے خطۂ کشمیر ! تیری غربت و مظلومی اور غلامی و محکومی کو بیان کرنے کی حاجت نہیں ۔ عیاں را چہ بیاں ۔ تیرا اور تیرے باشندوں کا حال زار دیکھ کر ہمارے دل پر جو گذرتی ہے اس کو گل لالہ زبان حال سے بیان کر رہا ہے ۔ یعنی جس طرح لالہ کا دل پرخوں ہے اسی طرح تیرے غم میں ہمارا دل بھی زخمی ہو گیا ہے ۔

۲ - کوہ ہمالہ کی وادیوں میں محو ریاضت رشیوں کا پیغام یہی ہے کہ تقدیر مکافات عمل کا نام ہے ۔ نیکی کی جزا نیکی اور بدی کی سزا بدی یا جیسی کرنی ویسی بھرنی یہ ناقابل انکار حقیقت ہے ۔ کشمیری مسلمان اگر جرأت و ہمت سے کام لے کر آزادی و حریت کے لئے کوشش کریں گے تو کامیابی ان کی تقدیر ہے ۔ حرص دنیا اور خوف مرگ کی وجہ سے جدو جہد نہ کر سکے تو ناکامی و غلامی جاوید ان کا مقدر ۔

۳ - کشمیری مسلمانوں کی بد نصیبی کا ماتم کرتے ہوئے علامہ کہتے ہیں کہ کشمیری ہنر مندوں اور صنعت کاروں کو اپنی محنت کا صلہ نہیں ملتا وہ امیروں اور سرمایہ داروں کو بہترین قسم کے شال دوشالے تیار کر کے دیتے ہیں ۔ لیکن خود ان کا بدن موسم سرما کی یخ بار ہواؤں میں برہنہ رہتا ہے ۔ یہ حالت غیر منصفانہ معاشی و اقتصادی نظام کا نتیجہ ہے ۔

۴ - اس شعر میں علامہ کشمیریوں کو امید کا پیغام دیتے ہیں وہ دولت مندوں کے سامنے جھکنے اور حالات زمانہ سے مایوس ہونے سے روکتے ہیں ۔ دولت دنیا سے امید وفا درست نہیں ۔ مال و دولت اور سیم و

زر کی طبیعت میں بے ثباتی موجود ہے ۔ یہ غزال صحرا کی طرح ابھی یہاں ہے تو ابھی وہاں ۔ یہ مت سمجھو کہ دولت ان لوگوں کا ساتھ ہمیشہ دے گی اور اقتدار وفاداری کرے گا ۔

(۱۷)

۱ ۔ خود آگاہی نے سکھلا دی ہے جن کو تن فراموشی
حرام آئی ہے اس مرد مجاہد پر زرہ پوشی

۱ ۔ جب ایک مسلمان اپنی خودی کی تربیت کر کے اس راز کو پا لیتا ہے کہ میری یہ زندگی میری نہیں بلکہ خدا کا عطیہ اور اس کی دین ہے ۔ تو ایسے مرد مجاہد میں تن فراموشی کی شان پیدا ہو جاتی ہے ۔ ایسا آدمی شہادت کے لئے میدان میں نکل آتا ہے ۔ وہ جان بچانے کی خاطر زرہ استعمال نہیں کرتا ۔ خلاصہ یہ کہ مومن خود آگاہی حاصل کر کے موت پر غلبہ پا لیتا ہے ۔

(۱۸)

۱ ۔ آں عزم بلند آور آں سوز جگر آور
شمشیرِ پدر خواہی بازوئے پدر آور

۱ ۔ وہی عزم بلند اور وہی سوز جگر پیدا کر ۔ تو اگر باپ کی تلوار کا وارث بننا چاہتا ہے تو باپ کی طاقت بھی حاصل کر ۔ مطلب یہ ہے کہ اے کشمیری مسلمان اگر تو اپنے اسلاف کی طرح کشمیر پر حکمرانی کی آرزو رکھتا ہے تو ان کی طرح اپنے اندر فرماں روائی کے اوصاف بھی تو پیدا کر ۔ ترے بازو میں طاقت اگر نہیں تو پھر تو باپ

کی تلوار لے کر کیا کرے گا ۔ عزم بلند اور سوز جگر کے بغیر سلطنت کشمیر تجھے کیسے حاصل ہو گی ۔

(۱۹)

۱ - غریب شہر ہوں میں سن تو لے مری فریاد
کہ تیرے سینے میں بھی ہوں قیامتیں آباد

۲ - مری نوائے غم آلود ہے متاع عزیز
جہاں میں عام نہیں دولت دل ناشاد

۳ - گلہ ہے مجکو زمانے کی کور ذوقی سے
سمجھتا ہے مری محنت کو محنت فرہاد

۴ - صدائے تیشہ کہ برسنگ میخورد دگر است
خبر بگیر کہ آواز تیشہ و جگر است(۱۲۴)

۱ - اے کشمیری مسلمانو ! میں تمہاری نظر میں اجنبی اور ناآشنا سہی ۔ مگر میری فریاد تو سن لو ۔ میری فریاد سننے سے تمہارا کچھ نہیں بگڑے گا بلکہ میری طرح تمہارے سینوں میں قیامتیں انگڑائیاں لینے لگیں گی ۔ تمہیں نیا عزم ، نیا حوصلہ اور نیا ولولہ نصیب ہو جائے گا ۔

۲ - میری غم انگیز فریاد کو قیمتی سرمایہ سمجھو ۔ کیونکہ دوسروں کا غم کھانے والا دل اس زمانے میں نایاب ہے ۔ میں ملک کی آزادی و ترقی کے لئے اور مسلمانوں کی مادری و روحانی فلاح و بہبود کی خاطر جو تعلیمات دے رہا ہوں ۔ ان کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرو ۔

۳ - مجھے اپنی قوم کی کور ذوق کوتاہ بینی اور کج فہمی کا شکوہ ہے - یہ قوم سمجھتی ہے کہ جس طرح فرہاد نے ذاتی منفعت اور شیریں کے حصول کے لئے محنت شاقہ کر کے جوئے شیر نکالی تھی اسی طرح میں بھی اپنی شاعری کے ذریعے دنیوی منفعت یا عزت و شہرت کا طالب ہوں۔ یہ سمجھنا غلط ہے - حقیقت یہ ہے کہ حب وطن اور ہمدردی قوم نے ہی مجھے شاعر بنایا ہے - میرا مقصود آدم گری اور ملت سازی ہے اس لئے میری شاعری "جزویست از پیغمبری،، کی تعریف میں آتی ہے -

۴ - میری محنت فرہاد کی محنت سے مختلف ہے - وہ تیشہ پتھر پر مارتا تھا - لیکن میں اپنے جگر پر ضرب لگا رہا ہوں -

وفات سے چند ماہ قبل علامہ نے اپنی کشمیری قوم کے سامنے آخری مرتبہ اپنے درد دل کا اظہار کیا ہے - وہ درد دل جسے وہ عنفوان شباب سے لے کر دم آخریں تک اپنے سینے میں پالتے رہے -

کشمیر پر علامہ کے فارسی اور اردو کلام کو درج کر کے ہم نے شرح و تفسیر پیش کر دی ہے - سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ریاست جموں و کشمیر میں بسنے والی قوم نے ان کی اردو و فارسی شاعری کو کہاں تک سمجھا اور ان کی تعلیمات پر کس حد تک عمل کیا - اس سوال کا جواب ہر آدمی کو اپنے آپ سے پوچھنا چاہئے -

ہمارا ماضی و حال ہم سے پوشیدہ نہیں - مستقبل کی تبدیلیوں کا علم صرف خدائے علیم و خبیر کے پاس ہے -

علامہ کے نقطۂ نظر سے اگر تقدیر مکافات عمل کا نام ہے تو ریاستی باشندوں کا مستقبل وہی ہو گا جس کے لئے وہ جدو جہد کریں گے(۱۲۵)۔

باب یازدہم

اقبال اور رجال کشمیر

شاہ ہمدان ، شیخ نور الدین ولی ، ملا محمد طاہر غنی ، میاں محمد بخش ، محمد انور شاہ ،

شاہ ہمدان :

امیر کبیر سید علی ہمدانی شاہ ہمدان کے نام سے بھی مشہور ہیں ۔ آپ ۷۱۴ھ میں ہمدان میں پیدا ہوئے اور ۷۸۶ھ میں فوت ہوئے ۔ اپنے دور کے زبردست عالم ، صوفی ، مصنف ، مصلح اور سیاح تھے ۔ آپ تقریباً سات سو ایرانی علماً ، صوفیاً اور ہنر مندوں کے ہمراہ ۷۷۴ھ میں کشمیر تشریف لائے ۔ ان ایرانیوں کو وادی میں آباد کر دیا اور خود بدستور سیر و سیاحت کرتے رہے ۔ آپ نے تین مرتبہ کشمیر کی سیاحت کی ۔ آپ ہی کی کوششوں سے وادی میں ۳۷ ہزار افراد حلقہ بگوش اسلام ہوئے ۔

سرینگر میں آپ کی خانقاہ ـــــ ”خانقاہ معلیٰ“ آج تک کشمیری مسلمانوں کا علمی و روحانی مرکز چلی آئی ہے ۔ کشمیر کے باشندے آپ سے بڑی عقیدت رکھتے ہیں ۔ آپ نے سو کے قریب تصانیف عربی و فارسی میں یادگار چھوڑی ہیں ۔ ذخیرۃ الملوک ان کی اہم تصنیف ہے جس میں جہاں بانی و حکمرانی کے اصول بیان کئے گئے ہیں ۔

علامہ کو شاہ ہمدان سے بے پناہ عقیدت تھی - اور آپ نے جہان جاوید نامہ میں ملت کشمیر کو شاہ ہمدان کی زبانی جہان بانی کا پیغام دیا ہے وہاں ان کو زبردست خراج عقیدت بھی پیش کیا ہے - علامہ نے شاہ ہمدان کو مرشد کشور مینو نظیر کہا ہے اور ان کو میر ، درویش ، اور مشیر سلاطین قرار دیا ہے -

حق یہی ہے کہ کشمیر میں علم ، صنعت ، تہذیب اور دین حضرت امیر کبیر ہی کی کوششوں سے پھیلا -

خطہ را آں شاہ دریا آستیں
داد علم و صنعت و تہذیب و دیں (اقبال)

شیخ نور الدین ولی :

شیخ نور الدین کا صوفیائے کشمیر میں بہت بڑا مقام ہے - آپ کشمیری شاعری کے بانیوں میں سمجھے جاتے ہیں - ۷۷۹ھ کو قصبہ کمیوہ کشمیر میں پیدا ہوئے - اور ۸۴۲ھ میں وفات پائی - علامہ کے مورث اعلیٰ بابا لولی حج کے مرشد بابا نصر الدین متوفی ۸۵۵ھ / ۱۴۵۱ء شیخ نور الدین کے خلیفۂ مجاز تھے -

یہ تفاصیل تو نہیں مل سکیں کہ حضرت علامہ نے شیخ نورالدین ولی سے کس حد تک استفادۂ معنوی کیا - البتہ ہم نے علامہ کا جو خط اپنے بھائی کے نام اس کتاب کے باب میں درج کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت شیخ کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے -

کیا عجب اگر علامہ نے خودی و خود شناسی کا نظریہ بھی اسی درویش کشمیر اور مرشد روشن ضمیر سے لیا ہو - کیونکہ علامہ کا خودی

سے متعلق سارا کلام شیخ نور الدین ولی کے اس شعر کی تفسیر و تشریح معلوم ہوتا ہے ۔ شیخ نور الدین ولی فرماتے ہیں :

سیدہ وندہ رہتھ صاحب کورم
ادہ پرزہ نو وم پنن روہ(۱۲۶)

ترجمہ : میں نے علائق کی سب الجھنیں چھوڑ کر خدا کی تلاش کی پھر اپنی حقیقت پہچان لی ۔

ملا محمد طاہر غنی :

حضرت ملا سرینگر کے باشندہ اور علوم متداولہ میں زبردست مہارت رکھتے تھے ۔ فارسی غزل کا غنی جیسا بڑا شاعر کشمیر نے آج تک پیدا نہیں کیا ۔ فلسفہ میں انہوں نے ملا محسن فانی (متوفی ۱۰۸۲ھ کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا تھا ۔

غنی کی تاریخ پیدائش تخمیناً ۱۰۱۰–۱۰۱۵ھ کے درمیان مقرر کی جاسکتی ہے ۔ ۱۰۸۲ میں فوت ہوئے ۔ ان کا فارسی کلام برصغیر پاک و ہند کے علاوہ افغانستان ، ایران ، ترکی ، سویت یونین میں بھی ذوق و شوق کے ساتھ پڑھا جاتا ہے ۔

علامہ اقبال غنی کے ہمیشہ مداح رہے ۔ وہ ان کی شخصیت ، کردار، اور فن سے زبردست متاثر تھے ۔ آپ نے جابجا اپنے کلام میں اشعار غنی کو استعمال کیا ہے ۔ اور غنی کشمیری کے عنوان سے ایک مستقل نظم میں ان کو خراج عقیدت بھی پیش کیا ہے ۔ 'جاوید نامہ' میں علامہ نے غنی کی زبان سے اہل کشمیر کو انقلاب کا پیغام بھی دیا ہے(۱۲۷) ۔

گرامی کے نام اپنے خط میں علامہ مزار غنی کشمیری پر حاضری دینے کا اشتیاق بھی بیان کرتے ہیں ۔ مجھے کسی کتاب سے تو شہادت نہیں ملی لیکن یقین ہے کہ ۱۹۲۱ء کے سفر کشمیر کے موقع پر علامہ نے اپنے محبوب و پسندیدہ کشمیری شاعر غنی کے مزار پر حاضری دی ہو گی ۔

میاں محمد بخش :

آپ مشہور صوفی اور پنجابی کے قادر الکلام شاعر تھے ۔ میاں صاحب کا تعلق گوجروں کی گوت پسوال سے تھا ۔ وہ میر پور آزاد کشمیر کے نزدیک کھڑی شریف میں ۱۸۲۶ء میں پیدا ہوئے ۔ ان کے والد میاں شمس الدین پیرا شاہ غازی قلندر (معروف دمڑی والا) کے خلیفہ مجاز تھے۔ والد کی وفات کے بعد میاں محمد بخش سجادہ نشیں ہوئے ۔

میاں صاحب چھوٹی بڑی درجن بھر کتابوں کے مصنف ہیں ۔ لیکن ان کی صوفیانہ مثنوی "سیف الملوک،، کو پوٹھوہاری زبان کی مثنوی معنوی سمجھنا چاہئے۔ یہ مثنوی پنجاب ، سرحد ، کشمیر میں بے حد مقبول ہے ۔

آپ ۱۹۰۷ء میں فوت ہوئے اور کھڑی شریف میں دفن ہوئے ۔ یہاں ان کا عرس ہوتا ہے ۔ جس میں ہزاروں کی تعداد میں عقیدت مند حاضری دیتے ہیں ۔

علامہ کی کسی تحریر سے شہادت نہیں مل سکی کہ ان کو حضرت میاں صاحب سے عقیدت تھی ۔ البتہ صاحب زادہ میاں محمد سکندر کی تضیف "عارف کھڑی،، میں دو واقعے درج ہیں ۔ جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت میاں محمد بخش نے علامہ کے بڑا آدمی بننےکی بشارت دی تھی ۔ اور یہ کہ علامہ

سیف الملوک کو سن کر اکثر اشکبار ہو جایا کرتے تھے اور میاں صاحب کے ولی کامل اور شاعر عظیم ہونے کا اقرار فرمایا کرتے تھے ۔

میاں محمد بخش نے علامہ کو دیکھ کر کیا کہا تھا ۔ اس کی تفصیل ہم ''عارف کھڑی،، سے نقل کرتے ہیں :

ایک مرتبہ آپ شہر لاہور میں قیام پذیر تھے کہ حضرت علامہ اقبال کے والد ، جو اولیاء اللہ خاص طور پر حضرت میاں صاحب کے ساتھ بڑی عقیدت رکھتے تھے ۔ اقبال کو جو اس وقت بچے تھے ، لے کر دعا و برکت کے لئے حضرت میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ حضرت میاں صاحب نے اقبال کے سر پر نہایت شفقت و پیار سے ہاتھ پھیرا اور ان کے والد کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا : یہ بچہ امت محمدی کا ایک نہائت درد مند دل ہو گا ۔ اور مسلمانوں کے لئے ایک بہت بڑا سرمایہ ثابت ہو گا ۔ یہ انتہائی ذہین اور قابل ہو گا اور شعر و سخن کے افق پر آفتاب بن کر چمکے گا ۔ اس لئے لازم ہے کہ اس کی تعلیم و تربیت اور دیکھ بھال میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں ۔

اقبال کے والد محترم نے حضرت میاں صاحب سے عرض کی : یا حضرت یہ بہت ضدی ہے ۔ اس پر حضرت میاں صاحب نے فرمایا : بڑے لوگ عموماً ضدی ہوا کرتے ہیں ۔ آپ لوگ جس چیز کو ضد کہتے ہیں دراصل یہ دوسروں سے اپنی بات منوانے کا جوہر ہوتا ہے ۔ یہ ملکہ انہیں قدرت کی طرف سے ودیعت ہوتا ہے اور آپ لوگ اسے ضد کا نام دے دیتے ہیں ۔ بچے کی اس بات پر آپ فکر مند نہ ہوں ۔ یہ بچہ ایک دن بڑا آدمی بنے گا ۔ اور تمام خاندان بلکہ ملت اسلامیہ کی عزت و وقار کا باعث ہو گا ۔

آپ اس کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دیں ۔ اور حضرت اقبال کو کچھ شیرینی دے کر رخصت کیا(۱۲۸)۔

حیرت ہوتی ہے کہ یہ پیشگوئی کس طرح حرف بحرف پوری ہوئی ۔ دوسرا واقعہ یہ ہے میاں محمد سکندر صاحب لکھتے ہیں :

تحصیل گوجر خان علاقہ پوٹھوہار کے (ایک) صاحب جو اب کافی عمر رسیدہ ہو چکے ہیں ۔ ایام جوانی میں بڑے خوش الحان نعت خواں تھے اور اب بھی حضرت میاں صاحب کا کلام نہائت شوق و درد سے پڑھا کرتے ہیں ۔ انہوں نے ہمیں بتایا کہ ایک دفعہ لاہور میں جب کہ وہ وہاں بلازمت کے سلسلے میں قیام پذیر تھے ایک جلسے میں نعت خوانی کے لئے بلائے گئے ۔ جب وہ سٹیج پر آئے تو دیکھا کہ اقبال بھی وہاں تشریف فرما ہیں ۔ ایک اردو نعت پڑھنے کے بعد میں نے حضرت میاں صاحب کی تصنیف سیف الملوک کا کلام پڑھنا شروع کیا(۱۲۹)۔۔۔۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت میاں صاحب کا کلام پڑھنے کے دوران میں نے دیکھا کہ تمام جلسے پر وجد طاری تھا ۔ جب میں نے حضرت اقبال کی طرف نظر کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ نہائت غور سے حضرت میاں صاحب کا کلام سن رہے ہیں اور ان پر رقت طاری تھی ۔ جب میں نے سیف الملوک پڑھنا ختم کیا تو حضرت اقبال نے مجھے پاس بلا کر فرمائش کی کہ تھوڑا اور سیف الملوک سناؤ(۱۳۰)۔

افسوس مصنف سیف الملوک اب اس دنیا میں موجود نہیں ورنہ میں ان کے ہاتھ چومتا ۔ جب میں نے حضرت علامہ اقبال پر حضرت میاں صاحب کے کلام کا یہ اثر دیکھا تو ہمت کر کے آپ سے عرض کی ۔ جناب اگر پسند کریں تو کچھ اور شعر سیف الملوک کے سناؤں ۔ اس پر حضرت

علامہ اقبال نے فرمایا کہ ضرور ضرور سناؤ ۔ اس کے بعد جب میں نے اہل جلسہ کی طرف نگاہ کی تو میں نے محسوس کیا کہ اہل جلسہ کے دلوں میں بھی حضرت میاں صاحب کے کلام سے ایک عجیب تڑپ پیدا ہو گئی ہے اور ان کی تشنگی ابھی باقی ہے ۔ پھر میں نے حضرت میاں صاحب کے مندرجہ ذیل اشعار پڑھے (۱۳۱)۔

یہ اشعار پڑھنے کے بعد میں نے حضرت اقبال کی طرف دیکھا تو ان کی آنکھیں پرنم تھیں اور پاس بیٹھے ہوئے ایک صاحب سے فرما رہے تھے کہ حضرت میاں صاحب کے کلام میں انتہا کا سوز ہے (۱۳۲)۔

علامہ اور میاں صاحب دونوں مولانا رومی کو اپنا مرشد معنوی مانتے ہیں ۔ دونوں نے ہمت و شجاعت کا پیغام دیا ہے اور سعی و کوشش کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ اگر کلام اقبال اور سیف الملوک کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو بعض اشعار کا مفہوم میاں صاحب کے بعض اشعار کے مفہوم سے ملتا جلتا ہے ۔ چونکہ دونوں صاحب دل بزرگ تھے اس لئے اگر ان کی پرواز تخیل میں یکسانیت پائی جاتی ہے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ۔ بطور مثال یہ اشعار ملاحظہ فرمائیے ۔

بال چراغ عشق دا میرا روشن کر دے سیناں

دل دے دیوے دی روشنائی جاوے وچ زمیناں (میاں محمد بخش)

(عشق کا چراغ جلا کر میرا سینہ روشن کر دے ۔ میرے دل کے چراغ کی روشنی دور دور تک پھیلے ۔)

خدایا آرزو میری یہی ہے میرا نور بصیرت عام کر دے (اقبال)

دل وچ کرے دلیل شہزادہ کی کم کرسن تارے
آپ تخت تو ڈھیندے جاندے ہو غریب بیچارے (میاں محمد بخش)

(شہزادہ دل میں سوچ رہا تھا کہ تارے مجھے کیا نفع پہنچا سکتے ہیں۔ وہ تو خود ہی مجبور اور بے بس ہو کر ٹوٹتے اور گرتے ہیں ۔)

ستارہ کیا میری تقدیر کی خبر دے گا
وہ خود فراخی افلاک میں ہے خوار و زبوں (اقبال)

مولانا محمد انور شاہ کشمیری :

لولاب کشمیر کا مشہور خطہ ہے ۔ علامہ نے وادی لولاب کو مخاطب کر کے ایک نظم بھی کہی ہے ۔ مولانا انور شاہ اسی وادی کے گاؤں ودوان میں ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوئے ۔ ابتدائی اسلامی تعلیم کے حصول کے بعد آپ نے شیخ الہند مولانا محمود الحسن سے احادیث کی کتابیں پڑھیں ۔ آپ نابغۂ روزگار تھے اور قابل رشک ذہانت کے مالک تھے ۔ آپ دیو بند میں دس سال تک صدر المدرسین رہے ۔ عربی میں کئی تصانیف یاد گار چھوڑی ہیں اور متعدد کتب پر حواشی تحریر کئے ہیں(۱۳۳)۔ مغلوں کے بعد کشمیر نے اتنا بڑا عالم و مصنف پیدا نہیں کیا ۔ آپ کا انتقال ۱۹۳۳ء میں ہوا ۔

علامہ اقبال کو مولانا انور شاہ سے بڑی ارادت تھی ۔ آپ نے دو بار مولانا سے ملاقات کی تھی اور خط و کتابت کے ذریعے بھی آپ فلسفہ کے مشکل مسائل سے متعلق استفسار کیا کرتے تھے ۔

ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کی روائت ہے کہ جب ۱۹۲۱ء میں جمیعت علمائے ہند کا جلسہ لاہور میں منعقد ہوا تو حسن اتفاق سے اس جلسے میں راقم کی معرفت اقبال کا تعارف حضرت انور شاہ سے ہوا(۱۳۴)۔

۱۹۲۵ء میں انجمنِ خدام الدین (لاہور) کا جلسہ ہوا تو مولانا نے بھی اس میں شمولیت فرمائی علامہ نے اس موقع پر آپ کو اور آپ کے دوستوں کو کھانے پر مدعو کیا تھا۔ علامہ کا اصل رقعہ یہ ہے۔

مخدوم و مکرم حضرت قبلہ مولانا :

السلام علیکم ورحمۃ اللہ مجھے ماسٹر عبداللہ(۱۳۵) سے ابھی معلوم ہوا ہے کہ آپ انجمن خدام الدین کے جلسے میں تشریف لائے ہیں اور ایک دو روز قیام فرمائیں گے۔ میں اسے اپنی سعادت تصور کروں گا اگر آپ کل شام اپنے دیرینہ مخلص کے ہاں کھانا کھائیں . . . . مجھے امید ہے کہ جناب اس عریضے کو شرف قبولیت بخشیں گے۔ آپ کو قیام گاہ سے لانے کے لئے سواری یہاں سے بھیج دی جائے گی(۱۳۶)۔

معلوم نہیں مولانا علامہ کے ہاں کھانا کھانے تشریف لے گئے یا نہیں تاہم اس رقعہ سے ایک تو علامہ کی عقیدت کا بخوبی اظہار ہو جاتا ہے اور دوسرے کہ دونوں عظیم فرزندان کشمیر کے پہلے سے ہی تعلقات استوار ہو چکے تھے۔

علامہ نے مولانا سے مشکلات فلسفہ خاص کر کے زمان و مکان اور حدوث و قدم کے مباحث میں خاطر خواہ استفادہ کیا تھا۔

نفحۃ العنبر کے مولف مولانا محمد یوسف بنوری کا کہنا ہے کہ علامہ نے ۱۳۴۸ھ (۱۹۲۹ء) میں لاہور میں ملاقات کی اور مشکلات قرآن اور دقائق فلسفہ پر سوال کر کے اطمینان بخش جواب سنے تھے (۱۳۷)۔

مولانا محمد قادری لائل پوری لکھتے ہیں کہ مولانا محمد انور شاہ نے ان سے فرمایا کہ کسی مولوی نے مجھ سے اقبال سے بڑھ کر استفادہ نہیں کیا (۱۳۸)۔

حوالہ جات

۱ - ادبی دنیا ص ۷۷
۲ - تمدن ہند ص ۱۲۷
۳ - ابی الفداً ج ۱ ص ۹۹
۴ - اقبال کامل ص ۲
۵ - تاریخ بڈھ شاہی - محمد دین فوق ص ۳۰۷
۶ - ادبی دنیا ص ۷۷
۷ - اقبال بنام فوق (انوار اقبال) ص ۷۷
۸ - اقبال بنام فوق ۱۶ جنوری ۱۹۳۴ء انوار اقبال ص ۷۷
۹ - روزگار فقیر ج ۲ ص ۱۱۴
۱۰ - خط محررہ ۵ اکتوبر ۱۹۲۵ء (بحوالہ صحیفہ ص ۳
روزگار فقیر ج ۲ ص ۱۱۴
۱۱ - کشمیری زبان اور شاعری ج ۲ ص ۱۷۰
۱۲ - تاریخ اعظمی ص ۶۳
۱۳ - تاریخ اعظمی ص ۶۶
۱۴ - تاریخ کبیر ص ۱۰۴ - ۱۰۵
۱۵ - روزگار فقیر ج ۲ ص ۱۸
۱۶ - انوار اقبال ص ۷۹
۱۷ - سیرت اقبال - لاہور طبع چہارم ص ۲۴

۱۸ - پارمو ص ۳۷۹

۱۹ - تاریخ حسن ج ۲ ص ۱۳۷ ، ۲۲٦ ، ۲۳۰ ، ۲۳۸

۲۰ - تاریخ اعظمی ص ۲۷

۲۱ - تاریخ کبیر ص ۱۲۳ - ۱۲۴

۲۲ - معلوم ہوتا ہے آپ کا اصل نام کچھ اور تھا - حج بیت اللہ سے عشق رکھنے کے سبب آپکو لولی حج ، عاشق حج کہا جاتا تھا ، اور پھر آپ اسی نام سے مشہور ہو گئے - ہو سکتا ہے حاجی مسکین کی نظر کشمیری لغت لول کے اس معنی پر نہ پڑی ہو اور انہوں نے لول یا (لولہ) کا پنجابی مفہوم کج پا لکھ دیا ہو -

۲۳ - تاریخ کبیر ص ۱۲۴

۲۴ - حسن ج ۱ ص ۴۱٦

۲۵ - حسن ج ۱ ص ۴۱۵

۲٦ - حسن ج ۱ ص ۴۵۷ - ۴۹۴

۲۷ - صحیفہ دسمبر ۱۹۷۳ء ص ۱۳۳

۲۸ - پارمو ص ۳۴۷

۲۹ - (استفادہ) فارسی ادب کی تاریخ ص ۱۰۳

۳۰ - فارسی ادب کی تاریخ ص ۱۰۳

۳۱ - روز گار فقیر ج ۲ ص ۱۱٦

۳۲ - روز گار فقیر ج ۲ ص ۱۱٦

۳۳ - روز گار فقیر ج ۱ ص ۱۹۵

۳۴ - تاریخ بڈھ شاہی ص ۳۰۷

۳۵ - ضرب کلیم ص ۱۰

۳۶ - ارمغان حجاز ص ۲۵۸

۳۷ - ایضاً ص ۲۷۳

۳۸ - جاوید نامہ ص ۱۵۹ - ۶۰ - ۱۶۶

۳۹ - پیام مشرق ص ۱۱۶ - ۱۳۲ - ۱۳۳

۴۰ - نقش اقبال ص ۱۳۵

۴۱ - نقش اقبال ص ۱۳۶

ایضاً کشمیری میگزین لاہور مارچ ۱۹۰۹ء

۴۲ - پورا شعر یوں ہے :

ہر کہ پابند وطن شد می کشد آزار ہا

پای گل اندر چمن دائم پر است از خار ہا

(غنی کشمیری)

۴۳ - نقش اقبال ص ۱۳۶

۴۴ - یہ سارے قطعات کشمیری گزٹ لاہور کے شمارہ دسمبر ۱۹۰۱ء میں شائع ہوئے -

۴۵ - دیوان غنی ص ۵۸

۴۶ - کشمیری میگزین مئی ۱۹۰۹

۴۷ - محمد دین فوق مرحوم ۱۸۸۷ء میں موضع کوٹھی ہر نرائن میں پیدا ہوئے جو سیالکوٹ سے جنوب کی جانب دو تین میل کے فاصلے پر ہے۔ آبائی وطن کشمیر ہے - ۱۸۹۱ء سے ۱۸۹۴ء تک جامکے ضلع سیالکوٹ میں زیر تعلیم رہے - ۱۸۹۵ء میں مڈل کا امتحان دیتے

کے بعد سیالکوٹ میں جا کر پٹوار کا کام سیکھنا شروع کیا اور پھر وہاں سے کسی اور ملازمت کی توقع پر جموں کا رخ کیا۔ ۳۱ جنوری ۱۸۹۶ء کو لاہور چلے آئے اور پھر لاہور کے ہو کر رہ گئے۔ (تاریخ اقوام کشمیر جلد ۳ ص ۲۰۹ - ۲۶۰ - ۲۶۱)

۴۸ - محمد دین فوق نے یہ پرچے لاہور سے شائع کئے تھے۔

۴۹ - انوار اقبال ص ۵۳

۵۰ - انوار اقبال ص ۵۹

۵۱ - ۸ جون ۱۹۱۷ء بحوالہ انوار اقبال حسن، ص ۶۵ -

۵۲ - تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ تذکرہ شعرائ کشمیر جلد ۱-۵ -

۵۳ - اقبال نامہ مرتبہ شیخ عطاء اللہ ص ۵۸ -

۵۴ - تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ تذکرہ شعرائ کشمیر۔ راشدی ص ۳ - ۲۲ - ۱۹ دسمبر ۱۹۲۲ء بحوالہ انوار اقبال ص ۲۷ -

۵۵ - پنڈت شیو نرائن دینہ لاہور ہائی کورٹ میں وکیل اور علامہ کے دوست تھے۔

۵۶ - پنڈت کلہن نے کشمیر قدیم کی تاریخ ۱۱۵۰ء میں سنسکرت زبان میں منظوم کی تھی۔ اکبر نے ملا شاہ محمد شاہ آبادی سے اس کا ترجمہ فارسی نثرمیں کروایا تھا راقم نے یہ فارسی ترجمہ بعد از تصحیح و تحشیہ و تعلیقات مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد کی طرف سے ۱۹۷۵ء میں شائع کروا دیا ہے۔

۵۷ - دیباچہ اسرار خودی (اشاعت اول) بحوالہ روزگار فقیر ج ۲ ص ۴۲ -

۵۸ - ۸ جون ۱۹۱۷ء بحوالہ انوار اقبال ص ۶۵ -

۵۹ - مکاتیب اقبال بنام گرامی ص ۱۲۲ -

۶۰ - شاد اقبال ص ۱۰۸ -

۶۱ - وہ بعد میں افسر مال اور پھر ریونیو ایجنٹ مقرر ہوئے -

۶۲ - مطالعہ اقبال ص ۱۲۰ -

۶۳ - علامہ نے کئی ریاستوں اور ملکوں کے سفر کئے تھے - یہ سعادت کشمیر کا مقدر بنی کہ آپ سب سے پہلے یہاں تشریف لائے - اس کے بعد کے سفروں کی تفصیل یہ ہے -

دکن ۱۹۲۸ء افغانستان ۱۹۳۳ء لندن ۱۹۳۱ء

بھوپال ۱۹۳۵ء اور دہلی ۱۹۳۲ء

۶۴ - رسالہ ہزار داستان - لاہور اکتوبر ۱۹۲۲ء -

۶۵ - دیکھئے ، انوار اقبال -

۶۶ - انوار اقبال ص ۲۱۳ -

۶۷ - حسن ج اول ص ۲۸۱ - ۳۱۰ -

۶۸ - حسن ج اول ص ۲۹۲ -

۶۹ - کلیات اقبال ص ۲۸۵ - ۲۸۶ -

۷۰ - بنام ذوق - ۱۹ دسمبر ۱۹۲۲ء -

کلیات اقبال ص ۲۸۵ - ۲۸۶ -

۷۱ - انوار اقبال ص ۲۱۳ -

۷۲ - اقبال اور سیاست ملی ص ۹۰م -

۷۳ - اس سانحہ کے متعلق منشی محمد الدین فوق نے ڈوگرہ حکومت کی بربریت پر ''بڈھ شاہ کی روح سے سوال و جواب'' کے عنوان سے بڑی درد ناک نظم کہی تھی جو ان کے مجموعہ کلام کے

ص ۲۰۸ پر درج ہے - نظم کے شروع میں، اس سانحہ کی تفصیل بتاتے ہوئے لکھتے ہیں - ۲۲ جولائی ۱۹۲۴ء کی صبح کو ریشم خانہ سری نگر کے ہزارہا مزدوروں پر جو حضوری باغ میں جمع ہو کر اپنے پچیس سرکردہ مزدوروں کی رہائی کا مطالبہ کر رہے تھے - فوج نے حملہ کر دیا اور بیشتر لوگ نیزوں، بھالوں کی نوکوں اور گھوڑوں کی ٹاپوں اور ڈنڈوں کی ضرب سے زخمی ہو گئے - "زمیندار" نے اسی سانحہ کی تاریخ ۲۱ جولائی لکھی ہے - فوق مرحوم ۲۲ جولائی لکھتے ہیں اور ان کی درج کردہ تاریخ کی صحت میں شبہ نہیں ہو سکتا - روزنامہ زمیندار، لاہور ۱۷، ۱۹، ۳۱ اگست ۱۹۲۴ء -

۷۴ - روزگار فقیر ج ۲ ص ۱۰۲ -

۷۵ - کلیات اقبال ص ۳۰۲ -

۷۶ - کشمیری زبان اور شاعری ج ۳ حاشیہ ص ۱۹۸ -

۷۷ - ایضاً ج ۳ ص ۱۹۸ -

۷۸ - پیام مشرق ص ۱۳۲ -

۷۹ - کشمیری زبان اور شاعری ص ۲۰۲ -

۸۰ - بحر رجز مثمن مطوی مخبون -

۸۱ - کشمیر ج ۶ جون ۱۹۲۴ء -

۸۲ - کشیر ج ۲، ص ۳۸۳ -

۸۳ - کشیر ج ۲ ص ۹۴ - ۹۳ -

۸۴ - بزم نہیں رزم ص ۱۷ -

۸۵ - بزم نہیں رزم ص ۲۲ -

بزم نہیں رزم ص ۳۵ (۳) ۱۹۲۲ء - ۱۹۲۶ء -

۸۶ - بزم نہیں رزم ص ۱۷ - ۱۸ -

۸۷ - پنجاب کی سیاسی تحریکیں ص ۱۶۳ - ۱۶۴ -

۸۸ - پنجاب کی سیاسی تحریکیں ص ۱۶۶ - ۱۶۵ -

۸۹ - روزنامہ انقلاب ۱۳ اگست ۱۹۳۱ء -

۹۰ - روزنامہ انقلاب لاہور ۱۶ اگست ۱۹۳۱ء -

نوٹ : یہ خطبہ پڑھ کر گمان ہوتا ہے کہ شاید حافظ نے اسی برہمن خدا پرست کے متعلق کہا تھا -

مزاج دھر شبہ شد درین بلا حافظ

کجاست فکر حکیمی و را مئی برہمن

۹۱ - روزنامہ انقلاب یکم اکتوبر ۱۹۳۱ء -

۹۲ - روزنامہ انقلاب ۱۶ اگست ۱۹۳۱ء

(۲) ایضاً یکم اکتوبر ۱۹۳۱ء -

۹۳ - روزنامہ انقلاب ۸ جون ۱۹۳۲ء -

۹۴ - کلیات اقبال ص ۷۴۶ - جاوید نامہ ص ۱۵۸ -

۹۵ - دیوان غنی ص ۲۰۵ -

۹۶ - جاوید نامہ کے شارح یوسف سلیم چشتی نے شعر کا مفہوم یہ دیا ہے - دنیا سے دل لگانے کا نتیجہ تباہی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے - دیکھ ! بلبل رنگ و بو پر فریفتہ ہو کر گلشن میں آشیانہ بناتی ہے - اور سمجھتی ہے کہ ہمیشہ اسی طرح بہار کا عالم رہے گا - - - انجام یہ ہوتا ہے کہ یا تو صیاد کے پھندے میں پھنس جاتی ہے یا آشیانہ پر بجلی گر پڑتی ہے - (شرح جاوید نامہ ص ۱۰۲۸) مجھے اس تشریح و تفہیم سے اختلاف ہے -

۹۷ - حضرت سید علی ہمدانی کے احوال و خدمات کے لئے ملاحظہ ہو۔
"سید علی ہمدانی"، از ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر لاہور (۱۹۷۲) -

۹۸ - حضرت مولانا رومی کے اس شعر کی طرف اشارہ ہے -

بشنو از نے چون حکایت می کند
وز جدائیہا شکایت می کند

۹۹ - یہ سچ ہے کہ ان حضرات نے مسلمانوں کے ساتھ انصاف نہیں کیا - لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ ہندوؤں کے سر میں حکمرانی کا سودا پیدا کرنے میں ان دونوں باپ بیٹوں کا بڑا ہاتھ ہے اور یہ بات بھی بالکل صحیح ہے کہ ان کی تحریروں اور تقریروں سے انگریز بہت پریشان رہتا تھا -

(یوسف سلیم چشتی شرح جاوید نامہ ص ۱۰۴۳)

۱۰۰ - زبور عجم ص ۵۷ کلیات اقبال ص ۴۶۷
۱۰۱ - یوسف سلیم چشتی - شرح جاوید نامہ (ص ۱۰۴۶)
۱۰۲ - اقبال نامہ ، شیخ عطا اللہ ایم اے - جلد اول ص ۳۲۹ ، ۳۳۰
۱۰۳ - روز نامہ انقلاب لاہور ۲۸ ستمبر ۱۹۳۳ء
۱۰۴ - اقبال نامہ ، شیخ عطا اللہ ایم - اے - جلد اول ص ۳۹۶ ، ۳۹۷
۱۰۵ - ۱۴ ستمبر ۱۹۳۳ء (انوار اقبال ص ۲۱۳)
۱۰۶ - اقبال اور سیاست ملی (ص ۳۰۴)
۱۰۷ - ایضاً (ص ۳۰۵)
۱۰۸ - نقش اقبال ص ۱۵۱
۱۰۹ - ہفت روزہ چاند - جموں (۱۱ مئی ۱۹۴۴ء)

۱۱۰ - ہفت روزہ چاند - جموں (٦ جولائی ۱۹۴۴ء)

۱۱۱ - وفات ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء

۱۱۲ - ارمغان حجاز ص ۲۵٦ - ۲۷٦

۱۱۳ - شرح ارمغان حجاز ص ۱٦۱

۱۱۴ - از غلامی دل بمیرد در بدن

از غلامی روح گردد بار تن

۱۱۵ - ۱۸۱۹ء ۱۹۳۸ء

۱۱٦ - تو خدا کی بردباری پر مغرور نہ ہو - کیونکہ اس کے ہاں دیر تو ہو سکتی ہے مگر اس کے عذاب سے مفر نہیں ہے -

۱۱۷ - شرح ارمغان حجاز ص ۱۸۸

۱۱۸ - بشعر حافظ شیراز می رقصند و می نازند

سیہ چشمان کشمیری و ترکان سمرقندی (حافظ)

(دیوان حافظ ص ۳۰۱)

۱۱۹ - شرح ارمغان حجاز ص ۲۰۹

۱۲۰ - واذا لبحار سجرت : اور جب سمندر کھول اٹھیں گے (سورۃ التکویر)

۱۲۱ - اذا زلزلت الارض زلزا لہا : جب زلزلے زمین کو خوب جھنجھوڑ ڈالیں گے - (سورہ الز لزال)

۱۲۲ - حافظ شیرازی - دیوان حافظ ص ۱۹

۱۲۳ - شرح ارمغان حجاز ص ۲۲۸

۱۲۴ - خریطۂ جواہر (مرزا مظہر جان جاناں - شہادت ۱۷۸۰ء

۱۲۵ - مولانا رومی نے کہا ہے -

از مکافات عمل غافل مشو

گندم از گندم بروید جو ز جو

۱۲۶ - کشمیری زبان اور شاعری ج ۲، ص ۱۹۲

۱۲۷ - جاوید نامہ : عنوان ، غنی از ص ۱۶۵ تا ۱۶۷

۱۲۸ - عارف کھڑی ص ۷۲ - ۷۳

۱۲۹ - بیدرداں توں پچھو نائیں درد منداں دا رولا ــــــ تا
اس میدان محمد بخشا سر دتا پڑا کھڑیا

۱۳۰ - یہ شعر سنائے گئے -

ملک عبادت خاصی اندر ــــــ تا
پھول نہ رمز محمد بخشا دس حقیقت آتلی .

۱۳۱ - جنہاں طلب قصے دی ہوسی ــــــ تا
بہتر چپ محمد بخشا سخن اجہیے نالوں

۱۳۲ - عارف کھڑی ص ۸۳ - ۸۷

۱۳۳ - دیکھئے راقم کا فارسی مقالہ : مولانا محمد انور شاہ کشمیری -
مجلد ہلال کراچی جنوری ۱۹۷۲ء

۱۳۴ - روز نامہ نوائے وقت راولپنڈی - ۱۹ مئی ۱۹۶۶ء

۱۳۵ - ڈاکٹر عبداللہ چغتائی -

۱۳۶ - اقبال نامہ حصہ اول ص ۳۵

۱۳۷ - نفحۃ العنبر

۱۳۸ - انوار انوری ص ۱۰۴

کتابیات

نمبر شمار	نام کتابیات/مجلہ	مصنف	ج	جائے طباعت	سال	زبان
۱ -	ابوالغداء (تاریخ)		ج ۱	مصر	ندارد	عربی
۲ -	اخبار کشمیر	—	—	سرینگر	۴ جون ۱۹۲۴	اردو
۳ -	ادبی دنیا (کشمیر نمبر)	—	—	لاہور	مارچ و اپریل ۱۹۶۶	اردو
۴ -	ارمغان حجاز (طبع ہفتم)	محمد اقبال	—	لاہور	۱۹۵۹	اردو/فارسی
۵ -	اقبال اور سیاست ملی	رئیس احمد جعفری	—	اقبال اکادمی کراچی	۱۹۵۷	اردو
۶ -	اقبال کامل	عبدالسلام ندوی	—	اعظم گڑھ	۱۹۶۴	اردو
۷ -	اقبال نامہ (حصہ اول)	عطاء اللہ شیخ	—	لاہور	۱۹۵۱	اردو
۸ -	انقلاب (روز نامہ)	—	—	لاہور	۱۹۲۴،۳۳،۱۹۳۱	اردو
۹ -	انوار اقبال	بشیر احمد ڈار	—	اقبال اکادمی کراچی	۱۹۶۷	اردو
۱۰ -	بزم نہیں ازم	حفیظ جالندھری	—	لاہور	۱۳۹۳ھ	اردو
۱۱ -	پیام مشرق	محمد اقبال	—	لاہور	—	فارسی
۱۲ -	تاریخ اعظمی	خواجہ محمد اعظم دیدہ مری	—	سرینگری	ندارو	فارسی
۱۳ -	تاریخ بڈہ شاہی	محمد دین فوق	—	لاہور	ندارو	اردو
۱۴ -	تاریخ حسن	پیر حسن کھوئی ہامی	ج ۱،۲	سرینگر	۱۹۶۰	فارسی
۱۵ -	تاریخ کبیر (تحائف الابرار)	حاجی محمد مسکین	—	امرتسر	۱۳۳۱ھ	فارسی
۱۶ -	تذکرہ شعرای کشمیر	حسام الدین راشدی (بخش اول و سوئم)	—	کراچی	۱۹۶۷،۱۹۶۸	فارسی

نمبر	کتاب	مصنف	جلد	مقام	سنہ	زبان
۱۷ -	تمدن ہند	—	—	مقبول اکادمی کراچی	ندارو	اردو
۱۸ -	جاوید نامہ	اقبال	—	لاہور	—	فارسی
۱۹ -	چاند (ہفت روزہ)	—	—	جموں	۱۹۴۴	اردو
۲۰ -	دیوان غنی	ملا طاہر غنی	—	سرینگر	۱۹۶۴	فارسی
۲۱ -	روز گار فقیر	سید فقیر وحید الدین	ج ۱، ۲	کراچی	۱۹۶۳	اردو
۲۲ -	زبور عجم	اقبال	—	لاہور	—	فارسی
۲۳ -	زمیندار (روز نامہ)	—	—	لاہور	۱۹۲۴، ۱۹۳۱	اردو
۲۴ -	سیرت اقبال (طبع چہارم)	محمد طاہر فاروقی	—	لاہور	۱۹۶۶	اردو
۲۵ -	شاد اقبال	محی الدین قادری زور	—	حیدر آباد	۱۹۴۲	اردو
۲۶ -	شرح ارمغان حجاز	یوسف سلیم چشتی	—	لاہور	—	اردو
۲۷ -	شرح جاوید نامہ	یوسف سلیم چشتی	—	لاہور	—	اردو
۲۸ -	صحیفہ (مجلہ)	—	—	لاہور	دسمبر ۱۹۷۳	اردو
۲۹ -	عارف کھڑی	میاں محمد سکندر	—	میر پور	۱۹۷۰	اردو
۳۰ -	کشمیری زبان اور شاعری	عبدالاحد آزاد	ج ۲، ۳	سرینگر	۱۹۶۲	کشمیری/اردو
۳۱ -	کشمیر میں فارسی ادب کی	عبدالقادر سروری	—	سرینگر	۱۹۶۸	اردو
۳۳ -	کشمیر میں مسلم عہد تاریخ (انگریزی)	ڈاکٹر آر - کے پارمو	—	دہلی	۱۹۶۹	انگریزی
۳۳ -	کشمیری میگزین (اخبار)	—	—	لاہور	مئی ۱۹۰۹	اردو
۳۴ -	کشمیر	غلام محی الدین صوفی	ج ۱، ۲	لاہور	۱۹۴۸	انگریزی
۳۵ -	کلیات اقبال	اقبال	—	لاہور	۱۹۷۳	فارسی

۳۶ -	مطالعہ اقبال	گوہر نوشاہی	—	بزم اقبال لاہور	۱۹۷۱	اردو
۳۷ -	مکاتیب اقبال بنام گرامی	عبداللہ قریشی	—	اقبال اکادمی کراچی	۱۹۶۹	اردو
۳۸ -	نفحة العنبر	مولانا یوسف بنوری	—	کراچی	۱۹۶۹	عربی
۳۹ -	نقش اقبال	سید عبدالواحد	—	آئینہ ادب لاہور	۱۹۶۹	اردو
۴۰ -	نوائے وقت (روز نامہ)	—	—	راولپنڈی	۱۹ مئی ۱۹۶۶	اردو
۴۱ -	رسالہ ہزار داستان	—	—	لاہور	اکتوبر ۱۹۲۲	اردو
۴۲ -	ہلال (مجلہ)	—	—	کراچی	جنوری ۱۹۲۲	فارسی